جاہلیت کے خلاف

جنگ

مولانا عبد العلیم اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبۃ الاقصی



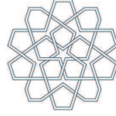
جاہلیت کے خلاف جنگ

(۱۹۹۷ء)



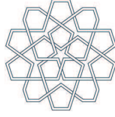
مولانا عبدالعلیم اصلاحیؒ

فہرستِ مضامین





جاہلیت کیا ہے؟



بعثتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے زمانہ کو دور جاہلیت کہا جاتا ہے جب کہ اللہ کے بندے نہ اللہ و رسول کو جانتے تھے اور نہ دین و شریعت سے واقف تھے۔ غرور، نخوت اور قبیلہ اور قوم کی عصبیت بے جا میں مبتلا تھے۔ مال و دولت اور جاہلانہ روایات پر فخر و مباہات کا ان میں عام چلن تھا۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآىِٕفَةً مِّنْكُمْ وَطَآىِٕفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا. (آل عمران:۱۵۴)

ترجمہ: پھر اللہ نے تم پر غم کے بعد اطمینان نازل فرمایا۔ یعنی نیند جو آ کر تم میں سے ایک گروہ پر چھائی جا رہی تھی اور ایک گروہ کو اپنی جانوں کی پڑی رہی۔ وہ اللہ کے بارے میں خلاف حق زمانہ جاہلیت کے قسم کی بدگمانیوں میں مبتلا رہے وہ کہتے ہیں کہ اس کام کے چلانے میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے۔ ان سے کہہ دو سارا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ اپنے دلوں میں وہ کچھ چھپائے ہوتے ہیں، جو تم پر ظاہر نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر اختیارات میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہوتا تو یہاں ہم نہ مارے جاتے۔

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ
(المائدۃ:۵۰)

ترجمہ: تو کیا یہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں۔ حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں، ان کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔

اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ (الفتح:۲۶)

ترجمہ: جب کہ ان کافروں نے اپنے دلوں میں جاہلانہ حمیت بٹھالی۔

ایک موقعہ پر ایک شخص نے کسی سے کہا۔ تم کالی عورت کے بیٹے ہو تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ''انک امرء فیک جاھلیة''، تم ایک ایسے آدمی ہو جس میں جاہلیت ہے۔

اوپر ذکر کردہ پہلی آیت میں اللہ کے بارے میں برا گمان رکھنا، زندگی اور موت، نفع اور نقصان کا بالکلیہ اللہ کو مالک نہ ماننے کو جاہلیت بتایا گیا۔ دوسری آیت میں اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کو چھوڑ کر کسی اور قانون کے طالب ہونے اور خدا کی شریعت پر کسی دوسرے قانون کو ترجیح دینے کو جاہلیت کہا گیا۔ تیسری آیت میں حق و صداقت کے بجائے کسی دوسرے محرک کے تحت کام کرنے کو جاہلیت قرار دیا گیا۔ اسی طرح آپ ﷺ کے ارشاد میں رنگ روپ کو عزت و ذلت کا معیار سمجھنا جاہلیت میں شامل ہونا بالکل ظاہر ہے۔

معلوم ہوا کہ جاہلیت کا تعلق کسی زمانہ سے نہیں ہے، بلکہ حق کے خلاف عقائد خیالات، جذبات اور اعمال و اخلاق کا نام جاہلیت ہے۔ اس طرح لفظ جاہلیت پورے طور سے اسلام کی ضد اور بالمقابل لفظ ہے۔ اسلام کی بنیاد سراسر علم پر ہے۔ تمام حقائق کا علم رکھنے والے کی طرف سے بھیجا ہوا دین ہے۔ عرب کے زمانہ قبل اسلام کو جاہلیت کا دور اسی معنی میں کہا گیا تھا کہ اس وقت علم کے بغیر محض وہم وگمان، قیاس یا نفسانی خواہشات کے تحت انسانوں نے اپنے لئے زندگی کے طور طریقے بنا لئے تھے۔ لہٰذا یہ طرز عمل جہاں اور جس دور میں بھی انسان اختیار کرے گا اسے بہر حال جاہلیت کا ہی طرز عمل کہا جائے گا۔ مدرسوں اور یونیورسٹیوں میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے وہ محض جزوی علم ہے، جو انسان کی رہنمائی اور ہدایت کے لئے کافی نہیں ہوسکتا، لہٰذا خدا کے بھیجے ہوئے علم سے بے نیاز ہو کر جو طریقہ زندگی اور نظام زندگی جزوی علم کے ساتھ ظن و تخمین، اوہام و قیاسات اور ہوائے نفس کی آمیزش کر کے بنا لئے جائیں گے، وہ بھی اسی طرح جاہلیت کی تعریف میں آئیں گے جس طرح عرب جاہلیت کے طرز فکر و عمل کو جاہلیت کہا گیا ہے۔

حضرت جعفر طیارؓ نے ہجرت حبشہ کے موقع پر شاہ حبشہ کے سامنے جاہلیت کو اس طرح بیان کیا تھا ''اے بادشاہ ہم جاہلیت والی قوم تھے۔ بتوں کو پوجتے تھے۔ مردار کھاتے تھے۔ فحش کام کرتے تھے۔ رشتوں کا لحاظ نہیں کرتے تھے اور پڑوسیوں کے ساتھ برا سلوک کرتے تھے۔ ہمارا طاقتور کمزور آدمی کو کھا جاتا تھا۔''

قرآن میں مشرکین اور اہل کتاب کے جن جن اعتقادات اور اعمال کی تردید کی گئی ہے وہ سب جاہلیت میں داخل ہیں۔ اس جاہلیت کے خلاف پورا قرآن سراپا اعلان جنگ ہے۔ رسول خدا ﷺ کی تیئس ۲۳ سالہ زندگی اسی

جاہلیت کے خلاف لڑنے میں گزری۔ آپ نے کسی مرحلہ میں جاہلیت کے ساتھ مصالحت اور سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ میلان اور جھکاؤ تک کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اور کیسے کر بھی سکتے تھے جب کہ قرآن نے مصالحت اور جھکاؤ سے قطعی طور سے منع کر دیا تھا اور بار بار تاکید کی گئی اور وعیدیں سنائی گئیں۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ○ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ (الکافرون:۱،۲)

ترجمہ: کہہ دو! اے کافرو! میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو۔

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ○ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ (القلم:۸،۹)

ترجمہ: لہٰذا تم ان جھٹلانے والوں کے دباؤ میں ہرگز نہ آؤ یہ تو چاہتے ہیں کہ کچھ تم مداہنت کرو تو یہ بھی مداہنت کریں۔

وَ اِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ○ وَلَوْلَاۤ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ○ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ○ (الاسراء ۷۵-۷۳)

ترجمہ: اے نبی! ان لوگوں نے اس کوشش میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی کہ تمہیں فتنے میں ڈال کر اس وحی سے پھیر دیں جو ہم نے تمہاری طرف بھیجی ہے۔ تاکہ تم ہمارے نام پر اپنی طرف سے کوئی بات گھڑو۔ اگر تم ایسا کرتے تو وہ ضرور تمہیں اپنا دوست بنا لیتے اور بعید نہ تھا کہ اگر ہم تمہیں مضبوط نہ رکھتے تو تم ان کی طرف کچھ نہ کچھ جھک جاتے۔ لیکن اگر تم ایسا کرتے تو ہم تمہیں دنیا میں بھی دوہرے عذاب کا مزہ چکھاتے اور آخرت میں بھی دوہرے عذاب کا، پھر ہمارے مقابلے میں تم کوئی مددگار نہ پاتے۔

وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ○ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ○ (الانعام ۵۵-۵۶)

ترجمہ: اسی طرح ہم اپنی نشانیاں کھول کھول کر پیش کرتے ہیں تاکہ مجرموں کی راہ بالکل نمایاں ہو جائے۔ اے نبی! ان سے کہو کہ تم لوگ اللہ کے سوا جن دوسروں کو پکارتے ہو ان کی بندگی کرنے سے مجھے منع کیا گیا ہے۔ کہو میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کروں گا۔ اگر میں نے ایسا کیا تو گمراہ ہو گیا۔ راہِ راست پانے والوں میں نہ رہا۔

قرآن کی ان جیسی تصریحات اور کھلے اعلانات کے بعد جاہلیت کے مقابلہ میں مکمل سپردگی، مکمل پسپائی اور پورے طور سے ہتھیار ڈال دینے کا سوال ہی کہاں باقی رہتا ہے بلکہ نرمی، جھکاؤ اور مداہنت کی بھی گنجائش ختم ہو گئی۔ یہی وہ نقطہ ہے جہاں سے خیر وشر اور حق و باطل کے تصادم اور معرکہ آرائی کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ یہی ابتلاء اور آزمائش کا موڑ ہے۔ یہی صبر وثبات اور استقامت کا مقام ہے۔ اسی موڑ سے حق و باطل کے قافلوں کی راہیں الگ الگ ہو جاتی ہیں۔ اسی مقام پر معلوم ہوتا ہے کہ کون صحیح معنی میں حق پرست اور مخلص ہے اور کون محض حق کا دعویدار اور ایمان ویقین میں ناپختہ اور کچا ہے۔ خبابؓ بن ارت بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ خانہ کعبہ میں ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ ہم نے مشکلات اور مصائب کی شکایت کی اور کہا کہ کیا آپ اللہ سے مدد کے لئے دعا نہ فرمائیں گے۔ یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا۔ تم سے پہلے کے لوگ تھے انہیں گڑھے میں ڈال دیا جاتا تھا۔ ان کے سر پر آرا رکھ کر چیر دیا جاتا تھا اور لوہے کی کنگھی سے گوشت ان کی ہڈی سے الگ کر دیا جاتا تھا۔ پھر بھی یہ چیز انہیں دین سے پھیر نہ سکی اور تم اتنے ہی میں گھبرا گئے۔

قرآن میں اصحاب الاخدود کے قصہ کو بطور مثال پیش کیا گیا کہ انہیں آگ کے الاؤ میں ڈال دیا گیا اور انہوں نے اس طرح جان دینی گوارا کر لی مگر دین سے نہ پھرے۔ ان کے واقعہ میں ہے کہ ایک عورت آگ میں جانے سے کترا رہی تھی۔ اللہ نے اس کے شیر خوار بچہ کو گویائی دے دی اور بچہ بول پڑا امی صبر کرو آپ حق پر ہیں۔

حبیب بن زید انصاریؓ کا واقعہ ہے کہ مسیلمہ کذاب نے ان سے کہا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ انہوں نے کہا ہاں۔ پھر اس نے کہا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ تو انہوں نے کہا۔ میں نہیں سنتا۔ وہ سوال کرتا جاتا اور ان کے جسم کا تھوڑا تھوڑا حصہ کاٹا جاتا۔ لیکن وہ اپنے عقیدہ پر قائم رہے اور ذرہ برابر مداہنت سے کام نہیں لیا۔

دور فاروقی میں عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ کو ایک جنگ میں رومیوں نے قید کر لیا۔ انہیں شاہ روم کے سامنے پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے ان سے کہا تم نصرانی بن جاؤ، میں تم کو اپنی بادشاہت میں شریک کر لوں گا اور اپنی بیٹی سے تمہاری شادی کر دوں گا تو انہوں نے جواب دیا تم اگر پوری سلطنت دے دو اور عرب کی پوری ملکیت دے دو تو بھی میں دین محمدی ﷺ سے ایک لمحہ کے لئے بھی نہ پھروں گا۔ اس جواب کو سن کر بادشاہ نے دھمکی دی کہ میں تم کو قتل کر دوں گا۔ بولے تم جو چاہو کرو۔ اس کے بعد انہیں سولی پر لٹکا دیا گیا اور تیر انداز انہیں تیر مارنے لگے اور ساتھ ہی نصرانیت قبول کرنے کی ترغیب دیتے رہے۔ لیکن وہ انکار کرتے رہے۔ اس کے بعد بادشاہ نے ان کو سولی سے اتارنے کا حکم دیا۔ انہیں اتار دیا گیا پھر کیا ہوا۔ ان کی نظروں کے سامنے ایک مسلمان قیدی کو لایا گیا

اور اسے کھولتے پانی میں ڈال دیا گیا۔ دیکھتے دیکھتے اس کا گوشت ہڈیوں سے الگ ہوگیا۔ یہ دکھا کر حضرت عبداللہ سے کہا گیا۔ نصرانیت قبول کرو ورنہ تمہارا بھی یہی حشر ہوگا۔ مگر وہ ذرہ برابر بھی متزلزل نہ ہوئے اور کسی نرمی کا مظاہرہ نہ کیا۔ اس کے بعد ان کو بھی کھولتے ہوئے پانی میں ڈالنے کے لئے اٹھایا گیا۔ اس وقت ان کی آنکھ سے آنسو نکل گئے یہ دیکھ کر بادشاہ کو خیال ہوا کہ اب یہ آدمی ڈر گیا ہے لہٰذا نصرانیت قبول کرنے کے لئے آمادہ ہوجائے گا۔ فوراً حکم دیا کہ اس آدمی کو میرے پاس لایا جائے۔ وہ لائے گئے اور نصرانیت قبول کرنے کی بات دہرائی گئی تو بھی ان کی کیفیت میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں پائی۔ جب رونے کا سبب بادشاہ نے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ میں صرف اس لئے رویا کہ میرے پاس ایک ہی جان ہے، جو اس وقت ختم ہوجائے گی۔ اے کاش! میرے جسم میں جتنے بال ہیں اتنی ہی جانیں ہوتیں، جن کو فی سبیل اللہ یہ سزا دی جاتی۔ یہ جواب سن کر بادشاہ حیرت زدہ رہ گیا۔ اور نہایت متاثر ہوا اور کہا کہ میرے سر کو تم بوسہ دو میں تم کو آزاد کردوں گا۔ حضرت عبداللہ نے کہا تمام مسلمان قیدیوں کو آزاد کردو گے؟ بادشاہ نے کہا ہاں۔ اس کے بعد انہوں نے اس کے سر کو بوسہ دیا اور سب مسلمان آزاد ہوگئے۔

عبداللہ بن حذافہؓ جب آئے تو بڑی گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا گیا حضرت عمر فاروقؓ نے کہا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ عبداللہ بن حذافہؓ کے سر کو بوسہ دے اور سب سے پہلے میں ان کو بوسہ دیتا ہوں۔

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ایمان ویقین کی یہ کون سی منزل ہے جہاں ہمارے اسلاف پہنچے ہوتے تھے کہ حیرت میں ڈال دینے والے اعمال کا ان سے صدور ہوتا اور جان دے دینا ان کے لئے آسان تھا۔ حکمت اور مصلحت کے نام پر کوئی حیلہ بہانہ کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوتے۔ رخصت، جواز اور گنجائش تلاش کرنے کے بجائے مشکلات اور خطرات کو جیسے خود دعوت دے رہے ہیں اور باطل کے مقابلہ میں نرمی اور مداہنت کو غیرت ایمانی کے منافی سمجھتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حبشہ کی جانب ہجرت کی نیت سے نکلے۔ ایک مقام برک غماد تک پہنچے تو قبیلہ قارہ کا سردار ابن دغنہ ملا۔ اس نے پوچھا کہاں کے ارادے ہیں؟ حضرت صدیق نے کہا۔ میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ زمین میں جہاں چاہوں پھروں اور اپنے رب کی عبادت کروں۔ ابن دغنہ نے کہا آپ جیسا آدمی جو مصائب میں لوگوں کی مدد کرتا ہے۔ صلہ رحمی کرتا ہے۔ مجبور کا بوجھ اٹھاتا ہے۔ محتاج کی حاجت روائی کرتا ہے اور مہمان کی ضیافت کرتا ہے۔ اس کو کیسے نکالا جاسکتا ہے۔ آپ کو میں پناہ دیتا ہوں۔ اس کے بعد ابن دغنہ حضرت صدیقؓ کو مکہ واپس لائے اور کہا کہ آپ یہاں اپنے رب کی عبادت کیجئے۔ ساتھ ہی

ابن دغنہ نے پورے مکہ میں اعلان کر دیا کہ ابوبکر کو میں نے پناہ دی ہے۔ یہ سن کر قریش نے کہا ٹھیک ہے، لیکن ابوبکر سے کہو کہ اپنی نماز اور عبادت خاموشی سے ادا کریں۔ اعلان نہ کریں اور ہمیں تکلیف نہ دیں۔ اندیشہ ہے کہ ہمارے بچے اور عورتیں فتنہ میں پڑ جائیں گے۔ حضرت صدیقؓ اس طرح سے اپنے دن گزار رہے تھے۔ قریش کے بچے اور عورتیں حضرت کی قرأت سنتے، نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے۔ اس سے قریش کو پریشانی شروع ہوگئی اور بار بار ابن دغنہ سے شکایت کرنے لگے۔ آخر کار اس نے حضرت صدیقؓ سے کہہ دیا کہ اگر آپ خاموشی سے نہیں رہنا چاہتے تو میرا ذمہ واپس کر دو اور جہاں مرضی ہو چلے جاؤ۔ پھر کیا تھا بلا تأمل حضرت صدیقؓ نے اس کا ذمہ واپس کر دیا اور کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی پناہ کافی ہے اور میں اس کی مرضی پر راضی برضا ہوں۔ ظاہر ہے ان کیلئے کوئی محفوظ مقام نہ تھا۔ کوئی پناہ گاہ نہ تھی لیکن غیرت ایمانی نے کسی طرح کی بے مائیگی کا اظہار نہ کیا اور انہیں یہ برداشت نہ ہوا کہ محض سہولت اور آسائش کی خاطر اہل مکہ کے خوف کو اپنے اوپر اثر انداز ہونے دیں اور حالات کے دباؤ کے تحت کوئی حکمت عملی اپنانے کیلئے آمادہ ہو جائیں۔

حضرت عمرؓ جب ایمان لائے تو لوگوں سے پوچھا کہ کسی بات کو بہت زیادہ عام کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟ لوگوں نے بتایا جمیل بن عامر، حضرت فاروقؓ جمیل کے پاس گئے۔ اس سے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں نے محمد کا دین قبول کر لیا ہے اور میں مسلمان ہو گیا ہوں؟ یہ سنتے ہی جمیل سیدھے خانۂ کعبہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر خانۂ کعبہ کے دروازہ پر کھڑا ہو کر بلند آواز سے پکارا۔ قریش کے لوگو! تمہیں معلوم ہے ابن خطاب بے دین ہو گیا ہے۔ حضرت فاروقؓ بھی اس کے پیچھے تھے زوردار آواز میں بولے۔ اس نے جھوٹ کہا میں مسلمان بن گیا ہوں۔ یہ سنتے ہی کئی لوگ حضرت عمرؓ سے ہاتھا پائی کرنے لگے اور حضرت بھی اپنی مدافعت کرنے لگے۔ یہ سلسلہ دیر تک جاری رہا۔ حضرت اکیلے تھے، تھک کر بیٹھ گئے اور لوگ گھیرے ہوئے تھے۔ حضرت نے کہا اس وقت تم جو چاہو کر لو۔ لیکن اگر ہم تین سو ہو گئے تو خدا کی قسم تمہاری مجال نہیں کہ تم کچھ کر سکو۔ یہ تنازعہ چل ہی رہا تھا کہ قریش کا ایک معمر آدمی آ گیا اور اس نے بیچ بچاؤ کرا دیا اور کہا کہ ایک آدمی نے اپنے لئے ایک چیز پسند کر لی ہے، اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ بنی عدی کے لوگ اپنے ایک آدمی کے ساتھ تمہارے اس سلوک کو گوارا کر لیں گے۔

حضرت فاروقؓ کے اس طرز عمل کی کیا توجیہ کی جائے۔ ہمارے ذہنوں میں دعوتی حکمت اور حکمت عملی کا جو تصور جما ہوا ہے اس سے اس طرز عمل کا کوئی میل نہیں ہے۔ ہمارا دانشور تو یہی کہے گا کہ یہ طرز فکر تو ''آ بیل مجھے مار'' کے مترادف ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ کسوٹی ہماری دانشوری اور حکمت عملی نہیں ہے بلکہ نمونۂ عمل سلف

صالحین کے عمل کو ہی بنانا زیادہ صحیح ہے۔اس اصول کے تحت ہم یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہیں کہ ایمان آگ کی ایک ایسی چنگاری ہے جو دیر تک راکھ میں دبی نہیں رہ سکتی۔اور دبانے پر شعلہ بن جانے سے اسے کوئی چیز روک نہیں سکتی۔ساتھ ہی یہ کہنا پڑتا ہے کہ ایمان ویقین کا جہاں عقل وخرد اور دانشوری کے جہاں سے بہت آگے ہے۔

شاید یہی بات ہے جو علامہ اقبالؒ کہنا چاہتے ہیں۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

دیکھئے۔ایک روز اصحاب رسول ﷺ جمع ہیں۔گفتگو چل رہی ہے کہ قریش نے ابھی قرآن نہیں سنا ہے کون ہے جو ان کو سنانے کی ہمت کرے۔عبداللہ بن مسعودؓ بول پڑے ''میں''۔ساتھیوں نے کہا تمہاری جان کو خطرہ ہے۔اس کے لئے کسی ایسے آدمی کو اٹھنا چاہئے جس کے قبیلہ کے لوگ اس کی حفاظت کرسکیں۔انہوں نے کہا چھوڑو یہ بات،میری حفاظت میرا اللہ کرے گا۔اس کے بعد خانہ کعبہ کے قریب جاکر کھڑے ہوئے اور بسم اللہ کرکے ''اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ'' پڑھنا شروع کردیا۔یہ دیکھ کر قریش کے لوگ ان پر ٹوٹ پڑے اور خوب خوب مارا۔مار کھا کر جب وہ واپس آئے تو ساتھیوں نے کہا اسی چیز کا ہمیشہ اندیشہ تھا۔انہوں نے کہا اس سے کیا ہوتا ہے۔اگر تم چاہو تو کل میں پھر ان کو سناؤں گا۔لوگوں نے کہا نہیں نہیں اتنا کافی ہے۔گویا مار کھا کر،اذیت برداشت کرکے بدست کافرانہ ذہنیت پر ضرب لگائی جارہی ہے اور انسانی ضمیر کو بیدار کیا جارہا ہے اور دعوت توحید کو عنوان بنایا جارہا ہے۔سوچنے کا ایک رخ یہ ہے۔اور دوسرا رخ یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ ہم آہنگی پیدا ہوجائے اور باطل کو چھیڑا نہ جائے ورنہ ماحول میں اضطراب پیدا ہوگا اور دعوت کا موقع باقی نہ رہے گا ان دونوں میں سے کون سا رخ صحیح ہے کون بتائے؟؟

مکہ میں جب سختیاں حد سے زیادہ بڑھ گئیں تو کچھ صحابہ حبشہ ہجرت کرگئے۔تھوڑے ہی دنوں کے بعد انہیں خبر ملی کہ مکہ میں حالات خوشگوار ہوگئے ہیں۔یہ سن کر صحابہ واپس آئے لیکن مکہ کی صورتحال جوں کی توں تھی۔ایک صحابی عثمانؓ بن مظعون،ولید بن مغیرہ کی پناہ لے کر مکہ میں داخل ہوئے اور آزادی کے ساتھ گھومتے پھرتے تھے جبکہ دیگر اصحاب رسول مشق ستم بنائے جارہے تھے۔یہ دیکھ کر انہوں نے کہا کہ میں ولید کی پناہ میں آرام سے ہوں اور میرے ساتھی مصائب ومشکلات سے دوچار ہیں یہ بڑا نقص ہے۔چنانچہ ولید کے پاس گئے اور کہا تمہارا وعدہ پورا ہوگیا اب میں تمہارا ذمہ واپس کرتا ہوں۔اس نے کہا آخر کیا بات ہے؟ کیا کسی نے کوئی تکلیف دی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں بلکہ میں صرف اللہ کی پناہ میں رہنا پسند کرتا ہوں۔میں نہیں چاہتا کہ اللہ کے سواء کسی

دوسرے کی پناہ میں رہوں۔ ولید نے کہا۔اچھا تو جس طرح میں نے علانیہ تم کو پناہ دی تھی اسی طرح علانیہ میرے ذمہ کو واپس کرو۔اس کے بعد دونوں خانہ کعبہ کے پاس آئے اور ولید نے اعلان کیا کہ یہ عثمان ہیں جو آئے ہیں میرا ذمہ واپس کرنے۔عثمان بن مظعون ؓ نے اس کی تصدیق کی اور کہا ولید ایک شریف اور وعدہ کا ایفاء کرنے والا آدمی ہے لیکن میں صرف اللہ کی پناہ میں رہنا چاہتا ہوں۔

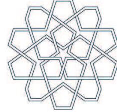
یہ غیرت ایمانی کی انتہائی حساسیت اور زندہ ضمیری کی ایک علامت ہے۔اس میں صاحب ایمان آدمی کی سوچ اور فکر کیلئے ایک نمونہ ہے اور مصلحت اندیش اور فراری ذہنیت والوں کیلئے سامان عبرت ونصیحت ہے۔

یہی حضرت عثمان بن مظعون ؓ قریش کی ایک مجلس شعر وسخن میں شریک تھے۔لبید بن ربیعہ نے مصرع پڑھا۔الا کل شئ ما خلا اللہ باطل ۔سن لو اللہ کے سواء ہر چیز باطل ہے۔حضرت نے کہا صدقت تو نے سچ کہا۔پھر لبید نے دوسرا مصرع کہا۔ کل نعیم لا محالۃ زائل ۔ہر نعمت لامحالہ ختم ہونے والی ہے۔

اس پر حضرت عثمان ؓ نے کہا کذبت تو نے جھوٹ کہا۔نعیم الجنۃ لا یزول جنت کی نعمت ختم نہیں ہوگی۔ لبید کو اس سے سخت تکلیف ہوئی۔اس نے کہا قریش کے لوگو! تمہارے ہم نشیں کی دل آزاری نہیں کی جاتی تھی۔ یہ نئی بات تمہارے اندر کب سے پیدا ہوگئی ہے؟ کسی نے دلا سا دیا اور کہا یہ بیوقوفوں میں سے ایک بیوقوف ہے، جس نے ہمارے دین کو چھوڑ دیا ہے۔اس کی بات کا خیال نہ کرو۔اس پر حضرت عثمان ؓ خاموش نہ رہے۔معاملہ اور بڑھ گیا اور اس آدمی نے حضرت عثمان ؓ کی آنکھ پر ایک طمانچہ مار دیا۔ ولید بن مغیرہ یہ تماشہ دیکھ رہا تھا۔اس نے کہا۔ میرے بھائی! تم ایک مضبوط ذمہ میں تھے اور تمہاری آنکھ اس طمانچہ سے محفوظ تھی۔ گویا اس نے احساس دلایا کہ تم نے میرا ذمہ واپس کر کے زبردست غلطی کی ہے۔حضرت عثمان ؓ نے جواب میں کہا۔میری یہ محفوظ آنکھ محتاج ہے اس جیسی مار کی، جو دوسری آنکھ کو اللہ کی راہ میں لگی ہے۔خدا کی قسم میں اس ذات کی پناہ میں ہوں جو تم سے زیادہ زبردست اور طاقتور ہے۔ولید نے کہا۔ بھائی! اب بھی تم میری پناہ میں آنا چاہتے ہو تو پھر آجاؤ حضرت عثمان ؓ نے کہا نہیں۔

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ ہستیاں یقین اور معرفت کے کس بلند مقام پر فائز تھیں کہ مار کھائی ہوئی آنکھ دوسری محفوظ آنکھ کے مقابلہ میں ان کے نزدیک زیادہ خوش نصیب اور قابل رشک آنکھ تھی! حق کے لئے مار کھانا اور ستایا جانا ان کے لئے ہتک اور ذلت نہیں بلکہ باعث عز وشرف اور موجب اعزاز تھا۔اسی چیز نے انہیں ایسا بنا دیا تھا کہ مشکلات راہ کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور حالات کے دباؤ میں نہ سوچتے تھے اور نہ اقدام کرتے تھے۔ان کی ہر سوچ آزاد اور حوصلہ مند اور ہر اقدام پر امید اور پر جوش ہوتا۔ ہر چیز کو اخروی پیمانہ سود وزیاں سے ناپتے اور تولتے اور بس۔

جنگ کے طریقے



جاہلیت کے خلاف جنگ ہر پہلو سے، ہر طریقہ سے اور ہر میدان اور ہر شعبہ زندگی میں قرآن وسنت کی رو سے مطلوب ہے۔ یہ جنگ جب اس لئے کی جاتی ہے کہ جاہلیت کو قلب و دماغ کے قریب پھٹکنے نہ دیا جائے اور آلائش دنیا سے پاک رکھا جائے تو اس کو تعلیم کتاب اور تزکیۂ نفس کا نام دیا جاتا ہے اور جب اسی جاہلیت کے خلاف رائے عامہ کو ہموار کرنا اور اس کے انجام بد سے بچانا مقصود ہوتا ہے تو اس کو انذار و تبشیر اور دعوت و تبلیغ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پھر اگر آگے بڑھ کر جاہلیت کے اثر و رسوخ، دبدبہ اور غلبہ کو ختم کرنے کے لئے علمبرداران جاہلیت کے ہاتھوں کو پکڑنے اور ان کے بڑھتے ہوئے قدم کو روکنے اور اہل حق کی راہ سے جاہلیت کے روڑوں کو ہٹانے کی کوشش کی جاتی ہے تو اس کو جہاد و قتال کے لفظ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ سب اصطلاحات دراصل جاہلیت کے خلاف جنگ کے مختلف مرحلوں اور طریقوں کو ظاہر کرتی ہیں۔

شریعت اسلامی کی تکمیل تیئس سال کی مدت میں مرحلہ وار ہوئی ہے۔ مثلاً نماز پہلے دو دو رکعت پڑھی جاتی تھی۔ روزہ پہلے عاشورا کا رکھا جاتا تھا اور شراب بتدریج حرام ہوئی۔ اسی طرح جاہلیت کے خلاف طریقۂ جنگ بھی تیئس سال کی مدت میں بتدریج مکمل ہوا ہے، جس کا جامع نام، جہاد ہے۔

غار حرا میں آغاز وحی کے بعد پہلے خاموشی سے تبلیغ کی گئی پھر اعلان کے ساتھ تبلیغ کی گئی۔ ہر ستم اور اذیت پر صبر کیا جاتا تھا۔ ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ تھی۔ پھر دفاع کی اجازت دی گئی اور کہا گیا کہ صرف ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔ اس کے بعد آخری حکم آیا کہ کافروں سے لڑو، یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وعظ و نصیحت اور دعوت و تبلیغ کے مقابلہ میں جہاد کی اصطلاح ایک مکمل اور آخری اصطلاح ہے جس میں تعلیم و تزکیہ، انذار و تبشیر، دعوت و تبلیغ اور قتال سب شامل ہیں۔ غرض دین کی حمایت اور جاہلیت کا قلع قمع کرنے کے لئے جو آخری اصطلاح کتاب وسنت میں ہمیں ملتی ہے وہ جہاد کی ہے۔ اسی بات کو فقہاء کہتے ہیں کہ جہاد کے دو شعبے ہیں۔ ایک دعوت و تبلیغ اور دوسرے قتال۔

شریعت کے سارے احکام میں آخری مرحلہ والے حکم کا اعتبار ہوتا ہے شراب حرام ہے تو حرام ہے۔ اب کسی کو یہ اختیار نہیں دیا جاسکتا کہ چونکہ شراب بتدریج حرام کی گئی ہے اس لئے وہ کہے کہ میں اپنے حالات کے تحت شراب پیتا رہوں گا۔ نماز شروع شروع دو رکعت پڑھنے کا حکم تھا لہٰذا میں کچھ دنوں دو دو رکعت پڑھوں گا۔ کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ میں ابھی صرف یوم عاشورا کا روزہ رکھوں گا۔ کم از کم تیرہ سال کے بعد رمضان کے روزے کی پابندی کروں گا۔ اس لئے کہ آغاز میں رمضان کے روزے فرض نہ تھے۔ اسی بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ کسی کے لئے قطعاً یہ جائز نہ ہوگا کہ وہ کہے کہ حکم جہاد تیرہ سالہ مکی دور کے بعد نازل ہوا ہے لہٰذا ہمارے لئے حکم جہاد کی بات کرنا صحیح نہیں ہے۔ ہم ابھی دعوتی مرحلہ میں ہیں۔ جہاد کا تذکرہ دعوت کے لئے مضر ہے۔ اسی طرز فکر کا یہ نتیجہ ہے کہ کئی لوگ غیر مسلموں کو قرآن پڑھنے کے لئے دینا مناسب نہیں سمجھتے۔ کیونکہ قرآن کی ترتیب ویسی نہیں ہے جیسی دعوت کی ترتیب ان کے ذہنوں میں ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس کو آج دعوت کہتے ہیں یہ وہ دعوت نہیں ہے جو دعوت نمرود، فرعون اور ابوجہل و ابولہب کو دی گئی تھی اور جس کی وجہ سے نار نمرود دہکائی گئی۔ جس کی بناء پر حضرت موسیٰؑ کو ملک مصر چھوڑنا پڑا اور جس سے ابوجہل اور ابولہب کی تیوریوں پر بل آ گئے تھے۔ جس کے سبب شعب ابی طالب میں بنی ہاشم کو محصور کیا گیا تھا اور دارالندوہ میں محمد ﷺ کے قتل کی سازش رچائی گئی تھی۔ جس کی وجہ سے معرکۂ بدر وحنین برپا ہوئے اور بالآخر جس کی وجہ سے خانہ خدا سے ۳۶۰ بتوں کو نکال باہر کیا گیا۔ ہماری دعوت تو صرف الا اللہ کی ہے لا الہ کا ذکر نہیں۔ اللہ کی عبادت ہمیں مطلوب ہے لیکن بتوں سے بیر کے بغیر۔ رحمن کا ذکر ہم کرنا چاہتے ہیں مگر رام کی چرچا کے ساتھ۔ دین کی دعوت ہم دیں گے لیکن ادیان باطلہ کی تردید کے بغیر۔ محمد ﷺ کے اسوہ کو اپنانے کا وعظ ہم کہیں گے مگر پرکھوں کی محبت کا دم بھرتے ہوئے۔ قرآنی دستور کی خوبیاں ہم بیان کریں گے لیکن سیکولر دستور کی مدح وستائش کے ساتھ۔ ہم مسلمان بن کر جینے اور مرنے کی تمنا رکھتے ہیں لیکن کفر وشرک کی چھایا میں۔

غرض دین کی ہر بات ہمارے سرآنکھوں پر سوائے جاہلیت کے خلاف جنگ کے۔ ورنہ ہمیں لوگ یہ طعنہ دیں گے "غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ" ان کو ان کے دین نے خبط میں مبتلا رکھا ہے۔ یعنی ہیں تو بے سروسامان مٹھی بھر، لیکن چلے ہیں بات کرنے جہاد کی۔ ان کے مذہبی جنون نے انہیں ہوش وخرد سے عاری کر دیا ہے۔ اپنے جوش میں دیوانے ہوگئے ہیں۔ نہ دین کی روح اور اسپرٹ سے واقف ہیں نہ دینی فراست اور حکمت کا علم ہے۔

احکام میں فرق کرنے کی وجہ

اپنی بات کی وضاحت کے لئے ایک سوال ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔ نص صریح میں یہ چند احکام ہیں:

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ (البقرۃ:۴۳)

ترجمہ: نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ (النحل:۱۲۵)

ترجمہ: اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت کے ساتھ دعوت دو۔

قُمْ فَاَنْذِرْ (المدثر:۲)

ترجمہ: اٹھو اور ڈراؤ

بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ (المائدۃ:۶۷)

ترجمہ: جو کچھ نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو۔

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل:۳۶)

ترجمہ: اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے کنارا کش رہو۔

وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ (المائدۃ:۳۵)

ترجمہ: اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو۔

وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃٍ (الانفال:۶۰)

ترجمہ: ان کے لئے جہاں تک ہو سکے سامان حرب اکٹھا کرو۔

وَقٰتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ (البقرۃ:۱۹۳)

ترجمہ: ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔

اوپر آیات میں جو احکام دیئے گئے ہیں وہ سب ایک انداز سے صیغۂ امر میں آئے ہیں۔ لیکن جب ملت اسلامیہ کے علمی اور عملی حالات پر ہم نظر ڈالتے ہیں تو کھلے طور پر نظر آتا ہے کہ یکساں انداز اور اہمیت کے ساتھ ان احکام کو نہیں لیا جاتا ہے۔ بلکہ اکثر لوگ اپنے اپنے ذوق کے مطابق کسی حکم کو اہمیت دیتے ہیں اور کسی کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ایک بڑی تعداد میں لوگ اقامت صلوۃ کو اپنائے ہوئے ہیں لیکن ایتائے زکوٰۃ کے حکم پر کوئی توجہ نہیں کرتے۔ کچھ لوگ نماز، روزہ اور زکوۃ کے پابند ہوتے ہیں مگر دعوت وتبلیغ کے فریضہ کو نا قابل توجہ سمجھتے ہیں۔ بعض حضرات نماز روزہ کے ساتھ زندگی کے خاص شعبوں میں جائز، ناجائز، سنت اور بدعت، توحید اور شرک کے مسائل بہت چھیڑتے ہیں مگر طاغوت سے اجتناب والے حکم کو سننا بھی پسند نہیں کرتے۔ اسی طرح تبلیغ و دعوت کا نعرہ لگانے والوں کی بڑی تعداد اعداء اسلام کے مقابلہ میں آکھڑے ہونے یا کم از کم تیاری کرنے

کو بے دینی کا کام خیال کرتی ہے وعظ ونصیحت، تقریر وخطابت، درس قرآن اور درس حدیث میں مشغول حضرات کے سامنے جہاد کا ذکر بھی کسی نے کر دیا تو ایسا بدک جاتے ہیں جیسے دینی اور روحانی محفل میں فتنہ وفساد پھیلانے کی بات کہہ دی جائے۔ حالانکہ جہاد اسی طرح ایک شرعی اصطلاح ہے جس طرح صوم، صلاۃ حج اور زکوۃ۔ اس سے تنفر کی کیا وجہ ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم بھی یہودیوں کے مرض میں مبتلا ہو گئے ہیں جب کہ ان سے کہا گیا تھا۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (البقرۃ:۸۵)

ترجمہ: کیا تم ایمان رکھتے ہو کتاب کے کچھ حصہ پر اور کچھ کا انکار کرتے ہو۔ تم میں سے جو ایسا کریں گے ان کا بدلہ دنیا میں صرف رسوائی ہے اور روز قیامت سخت ترین عذاب کی طرف لے جائے جائیں گے اور اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے۔ ایک مثال اور دیکھئے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (البقرۃ:۱۸۳)

ترجمہ: تم پر روزے فرض کئے گئے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ. (البقرۃ:۲۱۶)

ترجمہ: تم پر جنگ فرض کی گئی اور وہ تمہارے لئے ناپسندیدہ ہے۔

مذکورہ بالا دو آیتوں میں دو فرضوں کے بیان میں لفظ اور اسلوب دونوں یکساں استعمال کئے گئے۔ لیکن عملاً ہم دونوں میں فرق کرتے ہیں۔ روزہ کے فضائل، شرائط اور ارکان وآداب کا بیان ہماری محفلوں میں خوب ہوتا ہے، مگر جنگ کے فضائل، شرائط اور واجبات وآداب کا بھولے سے ذکر خیر نہیں ہوتا۔ آخر کیا وجہ ہے؟

غور سے دیکھئے امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور جہاد کو بالکل یکساں انداز سے اہل ایمان کی ذمہ داری بتائی جاتی ہے۔ لیکن یکساں انداز سے دونوں کا تذکرہ اور بیان کرنے کیلئے بھی تیار نہیں ہیں حالانکہ جس طرح امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ترک پر وعیدیں آئی ہیں اسی طرح ترک جہاد کو بھی نکبت وادبار اور ذلت ورسوائی کا سبب بتایا گیا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ: ترجمہ: ''مومن آپس میں محض بھائی بھائی ہیں''۔

کے حوالہ سے یہ تو ہم بیان کریں گے کہ مومن ہونے کا تقاضا ہے کہ ایک مومن دوسرے مومن کا خیر خواہ اور

بھائی بن کر رہے۔ لیکن یہ بولنے کی ہمت کم ہوتی ہے کہ کوئی کہے کہ مومن ہونے کا تقاضا ہے کہ اللہ و رسول پر ایمان و یقین کے ساتھ ساتھ جہاد بھی کرے۔ حالانکہ قرآن کا اسلوب بیان دونوں کے ذکر میں ایک جیسا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (الحجرات:۱۵)

ترجمہ: مومن صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے شک نہیں کیا اور اللہ کے راستہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا یہی لوگ ہیں سچے۔

ایک اور آیت پر غور کیجئے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (التوبۃ:۲۴)

ترجمہ: کہہ دو! اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز و اقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں۔ تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا۔

اس آیت میں اللہ اور رسول کی محبت اور جہاد فی سبیل اللہ کو ایک درجہ میں رکھا گیا ہے مگر جہاد کو ہم وہ درجہ دینے کے لئے تیار نہیں ہیں جو قرآن نے دیا ہے۔ یہاں کوئی موقتی اور عارضی بات کہی گئی ہے یا ایک مستقل بات ہے۔ اگر عارضی بات ہے تو اس کے لئے کوئی قرینہ ہونا چاہئے اور اگر مستقل چیز ہے تو جہاں محبت خدا و رسول کا چرچا ایک گھنٹہ ہوتا ہے وہیں کم از کم دس منٹ تو فضائل جہاد کے موضوع پر گفتگو ہونی چاہئے۔ اس عدم توازن کا نتیجہ یہ ہے کہ جو لوگ رات دن فی سبیل الشیطان جہاد میں مشغول ہوتے ہیں وہ بھی خدا اور سول کی محبت میں سرشار سمجھے جاتے ہیں اور ان کے دعوئے محبت میں کسی کو تضاد نظر نہیں آتا۔

مکی اور مدنی کا فرق

اس موقع پر بعض لوگ کہتے ہیں کہ جہاد کا حکم مدینہ میں آیا ہے۔ ہمارے حالات مکہ کے حالات جیسے ہیں۔ ہم مکی دور سے گزر رہے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ شرعی احکام کے درمیان مکی اور مدنی دور کا لحاظ کرتے ہوئے

فرق کی بنیاد کیا کوئی صحیح بنیاد ہے قرآن میں احکام کی ترتیب مکی اور مدنی بنیادوں پر نہیں قائم کی گئی ہے، بلکہ مدنی سورتیں پہلے ہیں جن میں اجتماعی زندگی کے احکام ہیں۔ قرآنی تفاسیر، شروح احادیث اور فقہی کتب میں کہیں بھی مکی و مدنی بنیادوں پر احکام میں تفریق نہیں کی گئی ہے۔ اگر اس کو کوئی بنیاد تسلیم کرلیا جائے تو ایک بڑے فتنہ کا دروازہ کھل جائے گا۔ مکی دور کے نام پر اکثر معاشرتی اور اجتماعی احکام سے دامن چھڑایا جاسکتا ہے۔ جن چیزوں کی حرمت مدینہ میں نازل ہوئی ہے ان کو حلال ٹھہرانا ممکن ہوجائے گا۔ جو چیزیں مدنی دور میں فرض ہوئی ہیں ان کو بجالانا ضروری نہ قرار دیا جائے گا۔ غرض واجبات کے ترک اور منہیات کے ارتکاب کے جواز کے لئے راہ ہموار ہوجائے گی۔

صحیح بات یہ ہے کہ اس اعتبار سے مکی اور مدنی دور کی تقسیم کوئی چیز نہیں ہے بلکہ خدا اور سول کی طرف سے جتنے احکام آئے ہیں ان سب کا ماننا اور ان پر عمل کرنا ضروری ہے بشرطیکہ متعلق شخص میں استطاعت پائی جائے اور حکم کے لاگو ہونے کی شرائط پائی جائیں۔ بالفرض کچھ لوگوں میں اور کسی جگہ کسی حکم کے لئے استطاعت اور شرائط نہ بھی ہوں، تو بھی دین کے سارے اجزاء کا بیان اور تذکرہ تو ہونا چاہئے تاکہ استطاعت اور شرط جہاں جہاں پائی جائے اس پر عمل ہو۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ کئی شرائط ایسی ہوتی ہیں جن کا مہیا کرنا ہماری ذمہ داری ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ شرعی اصول ہے کہ جن چیزوں پر کسی واجب کی ادائیگی موقوف ہوتی ہے ان کو حاصل کرنا بھی ہم پر واجب ہوتا ہے۔ مثلاً نماز کی ادائیگی طہارت پر موقوف ہے تو طہارت کے وسائل مہیا کرنا اور طہارت حاصل کرنا اس شخص پر واجب ہے جس پر نماز فرض ہے۔ لہٰذا اصل چیز ہمارے سوچنے اور سمجھنے کی یہ ہے کہ وجوب جہاد کی علت کیا ہے۔ کن شرائط کے حامل افراد پر جہاد کی ادائیگی واجب ہوگی؟ یعنی اس کی ادائیگی کے وجوب کے لئے کیا شرائط ہیں؟ اور تیسری بات یہ ہے کہ صحت ادائیگی کی شرائط کیا ہیں؟ مسئلہ کو واضح طریقہ پر جاننے کے لئے ان تینوں سوالوں کا جواب معلوم کرنا ہوگا۔

فرضیت جہاد کی علت

فرضیت جہاد کے لئے جن نصوص سے استدلال کیا جاتا ہے ان میں سے چند کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسَى أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَى أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (البقرۃ:۲۱۶)

ترجمہ: تمہیں جنگ کا حکم دیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناگوار ہو اور وہی تمہارے لئے بہتر ہو اور ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند ہو اور وہی تمہارے لئے بری ہو۔ اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ (التوبۃ:۳۶)

ترجمہ: اور مشرکین سے سب مل کر لڑو جس طرح وہ سب مل کر تم سے لڑتے ہیں اور جان رکھو کہ اللہ متقیوں ہی کے ساتھ ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (التوبۃ:۲۹)

ترجمہ: جنگ کرو اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے خلاف جو اللہ اور روز آخر پر ایمان نہیں لاتے۔ اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اسے حرام نہیں کرتے اور دین حق کو اپنا دین نہیں بناتے ان سے لڑو یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، الجهاد واجب مع كل امير براكان اوفاجراً۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: جہاد واجب ہے ہر امیر کے ساتھ نیک ہو وہ یا بے عمل۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

امرت ان اقاتل الناس حتی یشهدوا ان لا اله الا اللّٰه وان محمداً رسول اللّٰه ويقيموا الصلوة ويوتوا الزكوة فاذا فعلوا ذلک عصموا منی دماء هم واموالهم الا بحقها وحسابهم على اللّٰه. (رواہ مسلم)

ترجمہ: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں، یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور وہ نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں جب ایسا لوگ کریں گے تو مجھ سے اپنا خون اور اپنا مال محفوظ کرلیں گے مگر حق کے ساتھ اور ان کا حساب اللہ کے حوالہ ہے۔

فرض کفایہ

یہ ان آیات اور احادیث میں سے چند ہیں جن کی بناء پر جہاد کو بالاتفاق فرض سمجھا جاتا ہے۔ البتہ فقہاء اور علماء کی اکثریت فرض کفایہ مانتی ہے۔ کچھ لوگ فرض عین کہتے ہیں۔ سورہ توبہ آیت ۱۲۲ ''فلولا نفر'' اور سورہ نساء آیت ۹۵ ''لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ'' سے معلوم ہوتا ہے کہ فرض کفایہ کہنے والوں کی رائے زیادہ انسب اور

درست ہے۔ بعض سلف سے مستحب ہونے کا قول بھی منقول ہے، لیکن اس قول کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ دراصل یہ فرض عین والی بات کے بالمقابل رائے دی گئی ہے۔ یعنی فرض کے بالمقابل مستحب نہیں کہا گیا ہے بلکہ فرض عین کی نفی کرنا مقصود ہے۔ اس سے تائید فرض کفایہ والی رائے کی ہوئی ہے۔ اس توجیہ کی تائید میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جہاد کے سلسلہ میں جس طرح کی نصوص وارد ہوئی ہیں ان سے فرضیت اگر نہیں ثابت ہوگی تو فرضیت کے لئے اور کیا دلائل ہو سکتے ہیں؟!

فرضِ عین

علماء کے نزدیک جہاد تین صورتوں میں فرض عین ہو جاتا ہے۔

① جب دشمن مسلمانوں کے علاقہ پر حملہ کر دے۔

② جب مسلمانوں کا کوئی امیر ہو اور وہ جہاد کے لئے عام بلاوا کر دے۔

③ جب مسلمان اور کفار میدان جنگ میں صف آرا ہو چکے ہوں۔

آئندہ ہم اس مسئلہ پر قدرے تفصیلی بحث کریں گے۔

معنوی علت

جہاد کیوں فرض کیا گیا ہے اس کے جواب میں مذکورہ آیات اور احادیث پیش کر دینا کافی ہے۔ لیکن انہیں نصوص سے علماء نے معنوی علت بھی اخذ کی ہے۔ امام شافعیؒ نے معنوی علت ''کفر'' بتایا ہے اور جمہور فقہاء نے ''قتال'' کو معنوی علت بتایا ہے۔ ان دونوں رایوں سے یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ امام شافعیؒ کے قول کے مطابق ہر کافر سے جہاد کیا جائے گا اور ہر کافر کو قتل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن امام شافعیؒ صاحب نے صراحت کے ساتھ ''کتاب الام'' میں کہہ دیا ہے کہ عورتیں، بچے اور عبادت خانوں میں جو لوگ مشغول عبادت ہوتے ہیں ان کو قتل کرنا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی اس سے نکلتی ہے کہ ان کے نزدیک جزیہ لینا صحیح نہ ہوگا۔ مگر ایسی بات نہیں ہے۔ امام شافعی صاحب کے نزدیک جزیہ لیا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ قرآن میں صاف ہے کہ اہل کتاب ماتحتی قبول کرتے ہوئے جزیہ دینے کے لئے تیار ہو جائیں گے تو ان سے جنگ نہیں کی جائے گی۔

جمہور کے قول سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ جو قتال نہ کریں ان سے جہاد نہ کیا جائے گا۔ جنگ صرف ان سے کی جائے گی جو ہم سے جنگ کریں۔ لیکن ایسی بات نہیں ہے بلکہ جمہور کے نزدیک یہ طے شدہ امر ہے کہ جو جنگ نہ کریں اپنے علاقہ میں سکون سے بیٹھے رہیں ان سے بھی جنگ کی جائے۔ یہاں تک کہ یا تو اسلام قبول کریں یا ماتحت بن کر جزیہ دینا قبول کرلیں۔ اس لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے امام شافعیؒ اور دوسرے فقہاء کے درمیان کوئی

بنیادی اختلاف نہیں ہے۔ اس ضمن میں ہم سورہ توبہ کی آیت ۲۹ پر علماء کے چند نوٹ یہاں درج کرتے ہیں۔ جن سے اس مسئلہ کے بعض گوشوں پر روشنی پڑتی ہے۔ مولانا مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

''آیت مذکور میں ان لوگوں سے جہاد وقتال کرتے رہنے کی ایک حد اور انتہاء بھی بتائی گئی ہے۔ "حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ" یعنی یہ قتال اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ وہ ماتحت ہوکر، رعیت بن کر جزیہ دینا منظور نہ کریں۔

جزیہ کے لفظی معنی بدلے اور جزاء کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں اس سے مراد وہ رقم ہے جو کفار سے قتل کے بدلہ میں لی جاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کفر و شرک اللہ اور رسولؐ کی بغاوت ہے، جس کی اصل سزا قتل ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے ان کی سزا میں یہ تخفیف کردی کہ اگر وہ اسلامی حکومت کی رعیت بن کر عام اسلامی قانون کے ماتحت رہنا منظور کریں تو ان سے ایک معمولی رقم جزیہ کی لے کر چھوڑ دیا جائے۔''
(معارف القرآن)

اور جہاد وقتال کا جو حکم آیت میں بمقابلہ اہل کتاب دیا گیا ہے وہ درحقیقت اہل کتاب کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام طوائف کفار کا یہی حکم ہے کیونکہ اس آیت میں حکم قتال کی جو وجوہ آگے بیان کی گئی ہیں وہ سب کفار میں مشترک ہیں تو حکم بھی مشترک ہونا چاہئے۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ لکھتے ہیں:

"حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ" یَدْ کے اصل معنی تو ہاتھ کے ہیں لیکن یہ غلبہ، تسلط اور اختیار و اقتدار کے معنی میں بھی آتا ہے۔ یعنی ان کی طرف سے یہ ادائیگی جزیہ تمہارے اقتدار و غلبہ کے نتیجہ میں ہو۔ ان سے جنگ کرکے ان کے کس بل اس طرح نکال دو کہ یہ تمہارے آگے گھٹنے ٹیک دیں اور ہاتھ باندھ کر جزیہ دینے پر راضی ہوجائیں۔ "وَهُمْ صٰغِرُوْنَ" یعنی تمہاری ماتحتی و محکومی قبول کریں اور اس کو غنیمت جانیں۔

اصلاً تو یہاں جو حکم بیان ہوا ہے وہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے متعلق ہے لیکن صحابہ کرامؓ کے زمانہ ہی میں یہ مسئلہ بھی طے پاچکا تھا کہ یہی حکم دوسرے غیر مسلموں کا بھی ہے چنانچہ مجوسی کے ساتھ ان کو مشابہ اہل کتاب قرار دے کر یہی معاملہ کیا گیا جس کی ہدایت یہاں اہل کتاب کے باب میں ہوئی ہے۔ اس باب میں فقہاء میں کوئی اختلاف رائے ہے تو وہ فروعی نوعیت کا ہے۔ (تدبر قرآن)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کہتے ہیں......

''یعنی لڑائی کی غایت یہ نہیں ہے کہ وہ ایمان لے آئیں اور دین حق کے پیرو بن جائیں۔ بلکہ اس کی غایت یہ ہے کہ ان کی خودمختاری و بالادستی ختم ہوجائے۔ وہ زمین پر حاکم اور صاحب امر بن کر نہ رہیں بلکہ زمین کے

نظام زندگی کی باگیں اور فرمانروائی وامامت کے اختیارات متبعین دین حق کے ہاتھوں میں ہوں اور وہ ان کے ماتحت تابع ومطیع بن کر رہیں۔''

''یہ جزیہ وہ چیز ہے جس کے لئے بڑی بڑی معذرتیں انیسویں صدی عیسوی کے دور مذلت میں مسلمانوں کی طرف سے پیش کی گئی ہیں۔اس دور کی یادگار کچھ لوگ اب بھی موجود ہیں جو صفائی دینے میں لگے ہوئے ہیں لیکن خدا کا دین اس سے بالا وبرتر ہے کہ اسے خدا کے باغیوں کے سامنے معذرت پیش کرنے کی کوئی حاجت ہو۔سیدھی اور صاف بات یہ ہے کہ جو لوگ خدا کے دین کو اختیار نہیں کرتے اور اپنی یا دوسروں کی نکالی ہوئی غلط راہوں پر چلتے ہیں وہ حد سے حد بس اتنی آزادی کے مستحق ہیں کہ خود جو غلطی کرنا چاہتے ہیں کریں لیکن انہیں اس کا قطعاً حق نہیں ہے کہ خدا کی زمین پر کسی جگہ بھی اقتدار وفرمانروائی کی باگیں ان کے ہاتھوں میں ہوں اور انسانوں کی اجتماعی زندگی کا نظام اپنی گمراہیوں کے مطابق قائم کریں اور چلائیں۔یہ چیز جہاں کہیں ان کو حاصل ہوگی فساد رونما ہوگا اور اہل ایمان کا فرض ہوگا کہ ان کو اس سے بے دخل کرنے اور انہیں نظام صالح کا مطیع بنانے کی کوشش کریں۔'' (تفہیم القرآن)

ہماری اس گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ جزیرۃ العرب کی حد تک وجوب جہاد کی علت محض ''کفر'' ہے۔یعنی وہاں ''غلبہ کفر'' تو دور کی بات ہے سرے سے ''کفر'' ہی کو برداشت نہیں کیا جاسکتا۔اہل کفر کے لئے وہاں صرف دو راستے ہیں یا تو اسلام قبول کریں یا قتل ہوجائیں۔تیسری کوئی راہ نہیں ہے۔جزیرۃ العرب کے علاوہ بقیہ ساری دنیا میں کفر کو برداشت کیا جائے گا لیکن ''غلبہ کفر'' ناقابل برداشت ہوگا۔دوسرے لفظوں میں جہاں بھی کفر کا غلبہ ہوگا وہ وجوب جہاد کے لئے کافی علت ہوگا۔جہاد کے وجوب کے لئے کسی دوسرے سبب اور علت کی ضرورت نہیں ہے۔تقریب فہم کے لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ نماز ظہر کے وجوب کے لئے جو حیثیت زوال شمس کی ہے بالکل وہی حیثیت وجوب جہاد کے لئے کفر اور غلبہ کفر کی ہے۔

فرضیت جہاد کی ادائیگی کن پر فرض ہے

اب یہ سوال کہ جن پر جہاد فرض ہوگا ان میں کیا صفات ہونی چاہئیں اور کیا نہیں۔جس طرح صلاۃ کے فرض ہونے کے باوجود اس کی ادائیگی کی فرضیت کے لئے متعلق فرد کے اندر کچھ شرائط کا موجود ہونا ضروری ہے مثلاً بچے اور بے عقل پر نماز کی ادائیگی فرض نہیں ہے۔اسی طرح جہاد اپنی جگہ فرض ہونے کے باوجود اس کی ادائیگی کی فرضیت کے لئے کچھ شرائط ہیں جیسا کہ قرآن میں کہا گیا ہے۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ. (الفتح:۱۷)

ترجمہ: ہاں اگر اندھا اور لنگڑا اور مریض جہاد کے لئے نہ آئے تو کوئی حرج نہیں۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (التوبۃ:۹۱)

ترجمہ: ضعیف اور بیمار لوگ اور وہ لوگ جو شرکت جہاد کے لئے زادراہ نہیں پاتے اگر پیچھے رہ جائیں تو کوئی حرج نہیں جب کہ وہ خلوص دل کے ساتھ اللہ اور اس کے رسولؐ کے وفادار ہوں۔

معلوم ہوا کہ اندھے، لنگڑے، مریض، ضعیف اور تنگ دست پر فریضہ جہاد کی ادائیگی فرض نہیں ہے۔ دوسرے شرعی دلائل سے یہ بھی ثابت ہے کہ اسلام، بلوغت، ذکورت، حریت اور عقل بھی شرط ہے۔ یعنی کافر، نابالغ، عورت، غلام اور بے عقل پر جہاد کی ادائیگی فرض نہ ہوگی۔

بدائع الصنائع میں ہے:

فلا یفرض علی الاعمی والاعرج والزمن والمقعد والشیخ العرم والمریض و الضعیف والذی لا یجد ماینفق۔

ترجمہ: پس نہیں فرض ہوتا اندھے، لنگڑے، لنجے، اپاہج، بوڑھے، مریض، ضعیف اور اس پر جو اخراجات کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

ھدایہ میں ہے:

وقتال الکفار واجب وان لم یبدؤا للعمومات ولا یجب الجھاد علی الصبی لان الصبی مظنة المرحمة ولا عبد ولا امرة لتقدم حق المولی والزوج ولا اعمی ولا مقعد ولا اقطع لعجزھم فان ھجم العدو علی بلد وجب علی جمیع الناس الدفع تخرج المراة بغیر اذن زوجھا والعبد بغیر اذن المولی لانه صار فرض عین۔

ترجمہ: اور کفار سے جنگ واجب ہے اگرچہ وہ شروع نہ کریں۔ عمومات کی بناء پر (یعنی ان آیات اور احادیث کی بناء پر جن میں بغیر کسی شرط اور قید کے جنگ کو واجب بتایا گیا ہے) اور جہاد واجب نہیں ہوتا بچے پر کیونکہ وہ قابل رحم ہوتا ہے۔ نہ غلام پر اور نہ عورت پر کیونکہ ان پر آقا اور شوہر کا حق مقدم ہوتا ہے۔ نہ اندھے پر اور نہ اپاہج پر، نہ لولے پر کیونکہ یہ لوگ عاجز ہوتے ہیں۔ البتہ اگر دشمن کسی شہر پر حملہ کردے تو تمام لوگوں پر مدافعت واجب ہوجاتی ہے۔ ایسی صورت میں عورت کو اپنے شوہر کی اور غلام کو اپنے آقا کی اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوگی مدافعت میں نکلنے کے لئے۔ کیونکہ مدافعت فرض عین ہوچکی ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں ہم پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ جہاد کی فرضیت اور اس فرضیت کی

ادائیگی کیلئے مذکورہ بالا شرائط کے علاوہ کوئی شرط نہیں ہے۔ کسی خطۂ ارض کے مسلمان یہ نہیں کہہ سکتے کہ جہاد فرض نہیں ہے اور اس کی ادائیگی ہم پر فرض نہیں ہے۔ کیونکہ زمین کے اکثر حصہ پر کفر و شرک کا غلبہ ہے جو فرضیت جہاد کی علت ہے اور قرآن نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ کن پر جہاد کی ادائیگی فرض ہے اور کن پر نہیں۔

یہ جو مشہور ہے کہ امیر ہونا ضروری ہے، تو امیر کا ہونا نہ تو فرضیت کے لئے شرط ہے اور نہ ادائے فرض کے لئے شرط ہے بلکہ ادائے فرض کی صحت کے لئے شرط ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے نماز جمعہ کی ادائیگی کے صحیح ہونے کے لئے امام اور جماعت شرط ہے۔ تنہا جمعہ کی نماز نہیں ہوسکتی۔ لیکن ہزاروں کی بھری آبادی میں یہ کہہ کر ہم بری الذمہ نہیں ہو سکتے کہ نماز جمعہ کے لئے لوگ اکٹھا ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں اور کوئی امامت کے قابل نہیں ہے۔ لہٰذا نماز جمعہ فرض نہیں۔ نماز جمعہ کے لئے امام بنانا مصلیوں کی ذمہ داری ہے۔ اسی طرح جہاد کے لئے امیر متعین کرنا ان لوگوں کی ذمہ داری ہے جن پر جہاد کی ادائیگی فرض ہے۔ اسی وجہ سے فقہاء نے نصب امام کو فرض کہا ہے۔ اس طرح امیر کا تعین نہ کرنا خود ایک گناہ ہے جس کو دوسرے گناہ کے لئے وجہ جواز نہیں بنایا جاسکتا۔ ایک دوسری مثال سے بات کو سمجھئے۔ طہارت نماز کی صحت کے لئے شرط ہے نماز کی فرضیت کے لئے شرط نہیں ہے کہ طہارت ہوگی تو نماز فرض ہوگی اور اس کی ادائیگی ضروری ہوگی اور جس کو طہارت حاصل نہیں ہے، وہ بری الذمہ ہے، اس پر نماز فرض کی ادائیگی لازمی نہیں ہے اور وہ عند اللہ بے قصور اور معذور قرار دیا جائے گا بلکہ طہارت حاصل کرنا ہر اس شخص کی ذمہ داری ہے جس پر نماز از روئے شرع فرض قرار پائی ہے۔ طہارت حاصل نہ کرنا خود ایک گناہ ہے۔ اس گناہ کو ترک صلوۃ کے لئے وجہ نہیں بنایا جاسکتا۔

درحقیقت جہاد کی فرضیت کے لئے امیر المومنین کا ہونا ضروری شرط نہیں ہے۔ جس طرح فرضیت نماز کے لئے امام کا ہونا شرط نہیں ہے۔ البتہ استثنائی حالات کے علاوہ جس طرح عام قاعدہ یہ ہے کہ فرض نماز کسی امام کی امامت میں ادا کی جاتی ہے اسی طرح عام قاعدہ یہ ہے کہ جہاد کسی امیر المومنین کے تحت ہونا چاہئے اور یہ امر واقعہ ہے کہ جب بھی جہاد ہوا ہے مسلمانوں کے دور عروج میں ہوا ہے جب کہ مسلمان کسی امیر المومنین کے تحت ہی زندگی گزار رہے ہوتے تھے۔ ایسی صورت میں امیر المومنین کے حکم اور اجازت کے بغیر جہاد کا ہونا کیسے متصور ہوسکتا تھا۔

دو جواب طلب سوال

اس مقام پر دو سوال جواب طلب ہیں:

① امیر المومنین کے ہوتے ہوئے اگر کچھ لوگ بغیر اجازت جہاد کریں تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

(۲) دوسرا سوال یہ ہے کہ جب اور جہاں امیر المومنین نہ ہو، وہاں کیا جہاد کی کوئی صورت ہے؟

پہلے سوال کے جواب میں ہم فقہ کی ایک عبارت پیش کرتے ہیں:

''اگر دارالحرب میں ایسی جماعت داخل ہوتی ہے جسے قوت دفاع حاصل تھی یعنی طاقتور جماعت تھی ان سے بیت المال کے لئے خمس لیا جائے گا اگر چہ یہ جماعت بادشاہ کی اجازت کے بغیر داخل ہوئی ہو۔''

(فتاویٰ عالمگیری)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ بادشاہ کی اجازت کے بغیر اس جماعت کا دھاوا بولنا صحیح تسلیم کیا گیا اور اس کو جہاد قرار دیا گیا۔ اس کے برخلاف اگر ایک دو آدمی دارالحرب میں جائیں تو ان سے خمس نہیں لیا جائے گا۔ اس لئے کہ وہ مال غنیمت کی تعریف میں نہیں آئے گا اور ان کا دھاوا بولنا جہاد متصور نہ ہوگا۔ یہاں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ فقہی تفصیلات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ ان کا عمل جہاد کی تعریف میں نہیں آتا اور ان کا دھاوا بولنا جہاد متصور نہ ہوگا لیکن ان کا چھین جھپٹ کر لایا ہوا مال ان کے لئے حلال ہوگا حرام نہ ہوگا۔ بہرحال اوپر مذکورہ دونوں فقہی جزئیوں پر غور کرنے سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ امیر المؤمنین کے ہوتے ہوئے بھی اس کی اجازت کے بغیر جہاد ہو سکتا ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ جہاد کے صحیح ہونے اور نہ ہونے میں قوت طاقت اور قوت دفاع کی موجودگی بھی ایک معیار ہے۔ ہدایہ کی شرح فتح القدیر جلد سابع میں ہے کہ:

''شریعت میں وہ زور اور جبر معتبر ہے جو سلطان کی طرف سے ہو، کیونکہ سلطان کو قوت دفاع اور قوت منعہ حاصل ہے اور جس کے پاس قوت دفاع نہ ہو اس کی جانب سے زور اور طاقت کے استعمال کو شریعت نے معتبر نہیں قرار دیا ہے۔''

سلطان کی تعریف شامی جلد ۵ میں پڑھئے:

''شریعت نے سلطان کے بغیر کسی کا زور اور جبر معتبر نہیں مانا ہے، کیونکہ زور اور جبر کی طاقت قوت دفاع کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اور جس کے پاس قوت دفاع ہو، وہ سلطان ہے۔''

قوت دفاع کا معیار کیا ہے۔ یعنی کب یہ کہا جا سکتا ہے کہ اب قوت دفاع حاصل ہو گئی؟ اس مسئلہ پر کتب فقہ کی مندرجہ ذیل عبارتوں سے روشنی پڑتی ہے:

''تین آدمیوں کا حکم بھی ایک کا ہے البتہ چار ہوں تو خمس لیا جائے گا۔ محیط میں ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ سات آدمیوں کی جماعت از روئے شریعت وہ جماعت نہیں ہے جس کو قوت دفاع حاصل ہو۔ دس آدمیوں کی جماعت ایسی جماعت ہے جس کو قوت دفاع حاصل ہوگی۔'' (الفتح القدیر)

عنایہ میں قوت منعہ کی تفسیر سریہ سے کیا ہے، اس تفسیر کو علامہ ناطقی نے ابن شجاع کی کتاب الخراج سے نقل

کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں:

> اگر کوئی ایک آدمی اکیلا دارالحرب میں داخل ہو اس حال میں کہ دارالحرب میں کہیں قریب اسلامی فوج نہ تھی۔ پھر اس آدمی کو کچھ مال ہاتھ آیا تو اس میں بیت المال کا پانچواں حصہ نہ ہوگا، یہاں تک کہ مسلمان حملہ آوروں کی تعداد 9 تک پہنچ جائے۔ جب نو تک تعداد پہنچ جائے تو یہ سریہ ہے لہٰذا اس میں خمس ہوگا۔

جہاد کے لیے ضروری تعداد

معلوم ہوا کہ کفار کے مقابلہ میں (۹ ۔ ۱۰) افراد پر مشتمل کوئی جتھا یا ٹولی ہو تو شرعاً اسے باعتبار عدد قوت دفاع کا حامل کہا جاسکتا ہے، اور وہ جو بھی اقدام کریں گے اس کو جہاد کہا جاسکتا ہے اور اس کے سربراہ کو امیر یا سلطان کہا جاسکتا ہے اور اس کی سرکردگی میں جہاد کیا جاسکتا ہے۔ جہاں تک قوت دفاع کے لیے اسلحہ اور دیگر تیاریوں کا سوال ہے اس کا جواب قرآن کے الفاظ ''مَا اسْتَطَعْتُمْ'' میں مل جاتا ہے۔ پھر تینوں سوالوں کا جواب یعنی تعداد، اسلحہ وغیرہ کی مقدار کیا ہو اور حدود اقتدار کیا ہوں ابو جندلؓ اور ابوالبصیرؓ کے واقعہ سے ملتا ہے۔ مدینہ کے حدود کیا تھے، مسلمانوں کی تعداد کیا تھی اور ان کے پاس ساز و سامان کتنا تھا جب کہ وہ جہاد کر رہے تھے؟

حضرت ابوالبصیرؓ مکہ میں مسلمان ہو گئے تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد مدینہ آئے۔ ان کے پیچھے ہی مکہ سے ازہر بن عبدعوف اور اخنس بن شرفی کا ایک مکتوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام مدینہ دو آدمی لائے کہ حدیبیہ کے معاہدہ کی رو سے ابوالبصیرؓ کو واپس کر دیا جائے۔ حضور نے ابوالبصیرؓ کو بلایا اور فرمایا:

> ''ابوالبصیرؓ ہم نے اس قوم سے جو عہد کیا ہے وہ تمہیں معلوم ہے ہمارے دین میں عہد شکنی نہیں ہے تم مکہ چلے جاؤ، اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اور دوسرے کمزور مسلمانوں کے لئے کوئی راہ پیدا کرے گا۔''

ابوالبصیرؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ کیا آپ مجھے مشرکوں کی طرف واپس کر رہے ہیں، جو میرا دین برباد کر دیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا ''مکہ چلے جاؤ اللہ کوئی راہ نکالے گا۔'' حضرت ابوالبصیرؓ مکہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ لیکن راستہ میں انہوں نے مقام ذوالحلیفہ میں اپنے دونوں پہرہ داروں میں سے ایک کو دھوکہ دے کر قتل کر دیا۔ دوسرا پہرہ دار ڈر کر مدینہ چلا گیا اور وہاں حضور سے ابوالبصیرؓ کی شکایت کی۔ اس کے بعد ساتھ ہی ابوالبصیرؓ بھی مدینہ پہنچ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کی ذمہ داری پوری ہو گئی۔ اس کے بعد ابوالبصیرؓ مدینہ سے مقام عیص چلے گئے۔ عیص اس راستہ پر ہے جس سے ہو کر وہ شام جاتے تھے۔ سمندر کے ساحل پر ذوالمرہ کے کنارے واقع ہے۔ مکہ میں جو مسلمان رُکے ہوئے تھے وہ اس واقعہ سے واقف ہو چکے

تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کہا تھا اس کو جان چکے تھے۔ اس لیے وہ عیص میں ابوالبصیرؓ سے آ کر مل گئے۔ اس طرح تقریباً ستر آدمی جمع گئے اور انہوں نے قریشیوں کا قافیہ تنگ کر دیا۔ وہ جس قریشی کو پاتے اسے قتل کیے بغیر نہ چھوڑتے اور جو قافلہ ان کے پاس سے گزرتا اس پر چھاپہ مارتے۔

جس وقت حضرت ابوالبصیرؓ اپنی کارروائی کر رہے تھے، اس وقت مدینۃ الرسول دارالاسلام کا صدر مقام تھا جس کے سربراہ بذات خود رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات تھی۔ ابوالبصیرؓ اپنے ساتھیوں کو لے کر جو کچھ کر رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت اور حکم سے نہیں کر رہے تھے بلکہ اپنے طور پر کر رہے تھے۔ ورنہ مشرکین ضرور اعتراض کرتے کہ حدیبیہ میں طے شدہ معاہدہ کی یہ خلاف ورزی ہے۔ پھر بھی آپ کو سب کچھ معلوم تھا جس پر آپ نے کوئی نکیر نہیں فرمائی، جب کہ یہ ناممکن ہے کہ خلافِ شرع کوئی کام ہو رہا ہو اور آپ خاموش رہیں۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاموشی یعنی اقرار کو شریعت میں ایک مضبوط دلیل تسلیم کیا جاتا ہے۔ پس آپ کی خاموشی حضرت ابوالبصیرؓ کی ساری کارروائیوں کے صحیح ہونے کی دلیل ہے جو بہت ساری قیل وقال کا دروازہ بند کر دیتی ہے۔ کسی ملک میں مسلمانوں کے لیے کوئی حکمت عملی متعین کرنے کے لیے یہ ایک واقعہ کافی ہو سکتا ہے۔

موجودہ زمانے میں ابوالبصیرؓ کا نمونہ

آج ابوالبصیرؓ کے اس واقعہ کو دلیل بنا کر کوئی جتھا کسی جنگل، پہاڑ یا کسی مقام کو اپنا اڈہ بنا کر دشمنان دین و ملت کو نشانہ بنائے تو کیوں کر غلط ہو سکتا ہے؟ اور اگر کہا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاموشی کی وجہ یہ تھی کہ یہ واقعہ دارالاسلام مدینہ کے باہر ہو رہا تھا اس لیے آپ نے اس سے تعرض نہیں فرمایا تو یہ توجیہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور نبوت ساری دنیا کے لیے تھی۔ دنیا میں جہاں کوئی مسلمان ہوگا آپ کے حکم کے تابع ہوگا۔ حضرت ابوالبصیرؓ آپ کے حدودِ رسالت واطاعت کے باہر نہ تھے اور اگر اس توجیہ کو صحیح مان لیا جائے تو ہمارے مدعا کو مزید ثبوت اور قوت حاصل ہوگی اور یہ ثابت ہوگا کہ کہیں بھی چند مسلمان اکٹھا ہو کر دین وملت کے دشمنوں کے خلاف محاذ آرائی کر سکتے ہیں۔ اور اس کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ مسلمانوں کی وسیع پیمانہ پر شرعی حکومت قائم ہو اور وسیع علاقہ پر امیر المؤمنین یا خلیفۃ المسلمین کا سکہ جاری ہو۔

دوسرے سوال کا جواب

اب آیئے ہم دوسرے سوال پر غور کریں۔

یعنی جہاں کوئی امیر المؤمنین نہ ہو وہاں جہاد کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟

اس سوال کا جواب بھی پہلے سوال کے جواب میں شامل ہے جس کو بآسانی سمجھا سکتا ہے۔لیکن ایک دوسرے پہلو سے غور کیجئے ہم زیادہ نظری بحث نہ کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ انعقاد جمعہ ونماز عیدین کے لیے بھی امام یا قاضی کی ضرورت ہے اور نکاح وطلاق کے نزاعی معاملات میں مسلم قاضی کا فیصلہ درکار رہوتا ہے۔ لیکن ہمارے جیسے ملک میں جہاں امیر نہیں ہے وہاں قاضی کہاں سے آئے گا؟ اور معاملات اور حادثات تو بہر صورت پیش آتے ہی رہتے ہیں ۔ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟ اس مسئلہ کا حل علماء نے یہ نکالا کہ عام مسلمانوں کی جماعت کے فیصلہ کو قضاء قاضی کے برابر قرار دیا جائے۔اسی بنیاد پر پورے ملک میں جمعہ وعیدین کی نمازیں قائم کی جاتی ہیں اور اسی بنیاد پر ملک کے کئی علاقوں میں شرعی پنچایتیں کام کررہی ہیں۔پھر اسی بنیاد پر شریعت میں امام اور امیر المومنین کی جو تعریف ہے، اس کو محدود کرتے ہوئے پرسنل لا کی حد تک ایک امیر بنالیا جائے اور وہ قاضی کا تقرر کرے، اور وہ قاضی فیصل مقدمات کرے تو وہ فیصلہ شرعی فیصلہ تسلیم کرلیا جائے۔امارت شرعیہ بہار اور امارت ملت اسلامیہ آندھرا پردیش اسی بنیاد پر قائم ہیں۔

ایک فقہی نکتہ

اس کی نظیر شریعت کے بہت سے احکام میں ہمیں مل سکتی ہے کہ فرض اپنی جگہ قائم رہتا ہے، اس کی ادائیگی کے شرط نہ ہونے کی صورت میں فرض ساقط نہیں ہوتا۔مثلاً نماز کی ادائیگی کے لیے ستر پوشی ضروری شرط ہے۔ لیکن ستر پوشی کا سامان نہ ملے تو وہ فرض ساقط نہ ہوگا بلکہ فرض ادا کیا جائے گا۔کیسے ادا کیا جائے گا کسی مفتی سے دریافت کیجئے۔

وضو ادائیگی نماز کے لیے شرط ہے، لیکن پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم سے کام لیا جائے گا اور اگر کوئی ایسی صورت فرض کی جائے کہ تیمم کرنا بھی ممکن نہ ہو تو نماز کیسے ادا کی جائے؟ کسی مفتی صاحب سے پوچھئے۔بہر صورت نماز ادا کرنی ہوگی۔فرض ساقط نہ ہوگا، البتہ بعض شکلوں میں فرض کی شکل بدل سکتی ہے۔

جماعت سازی کی بنیاد

سوال یہ ہے کہ نکاح اور طلاق کے جھگڑے طے کرنے کے لیے ایک ملک میں بحیثیت تیمم امارت قائم کی جاسکتی ہے تو فریضۂ جہاد کی ادائیگی کے لیے کوئی امارت کیوں نہیں قائم کی جاسکتی؟ جو اصل امارت اور اسلامی حکومت کی نسبت سے ویسی ہی ہو جیسے ادائیگی نماز کے اصل وضو کی جگہ تیمم ہوتا ہے۔اسلامی حکومت نہیں ہے، کوئی ہمارا امیر نہیں ہے تو اس بنیاد پر قیامت تک جاری رہنے والے فرض جہاد کو اپنی ڈکشنری سے نکال دینا کسی طرح صحیح نہ ہوگا اس کو کسی شکل میں اور کسی درجہ میں باقی نہ رکھنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟

اسی طرح اگر فریضۂ دعوت وتبلیغ کی ادائیگی کے لیے انجمنیں اور مختلف جماعتیں کل ہند پیمانہ پر امیر اور مامور کی اصطلاح میں بات کرسکتی ہیں اور اپنے دائرہ میں امیر کی اطاعت کو دینی فریضہ سمجھتی ہیں، اوران کا سمجھنا بجا ہے تو فریضۂ جہاد کو ادا کرنے کے لیے کوئی امارت کیوں نہیں بنائی جاسکتی ؟ اور اگر ایک ملک میں دعوت وتبلیغ اور اشاعت اسلام کے لیے کئی کئی تنظیمیں بنانا روا ہے تو فریضۂ جہاد جیسے مہتم بالشان فریضہ کی ادائیگی کے لیے کوئی نظم کیوں نہیں قائم کیا جاسکتا ؟

حقیقت یہ ہے کہ جہاد کے لیے کسی شرعی بنیاد کی نفی جن مزعومات کے تحت کی جاتی ہے۔ ان کو صحیح مان لیا جائے تو کسی کام کے لیے کوئی انجمن اور جماعت بنانے کی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔ ساری انجمنیں اور جماعتیں اپنے اپنے کاموں کی اہمیت بتانے کے لیے اور اپنے کارکنوں میں جوش عمل پیدا کرنے کے لیے انہیں آیات اور احادیث اور انہیں مسلمات کو پیش کرتی ہیں جو صریح طور سے جہاد کے لیے قرآن وحدیث میں ہمیں ملتی ہیں۔ مگر جب جہاد کا نام لیا جاتا ہے تو کہہ دیا جاتا ہے کہ اس کے لئے گنجائش نہیں ہے۔

دفاعی جہاد

ایک پہلو مزید سوچنے کا یہ ہے کہ احکام اور شرائط کے اعتبار سے اقدامی جہاد اور دفاعی جہاد میں آپ کو فرق ملے گا۔ اقدامی جہاد فرض کفایہ ہوتا ہے لیکن دفاعی جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔ اقدامی جہاد میں تعداد کا، جنگی سامان اور وسائل کا لحاظ اور اعتبار کیا گیا ہے۔ اسی طرح اقدامی جہاد میں کئی اور لوگوں سے اجازت لینی ہوتی ہے۔ مثلاً غلام کو اپنے آقا کی اجازت درکار ہوگی۔ لیکن دفاع کے موقع پر نہ تعداد کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ وسائل جنگ کی کمی بیشی دیکھی جاتی ہے اور نہ کسی کو کسی سے اجازت لینے کی ضرورت ہوتی ہے، بلکہ ہر ایک کو ہر حالت میں حسب استطاعت دفاعی جہاد میں شرکت کرنی ضروری ہوتی ہے۔ اسی بناء پر غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت کعب بن مالکؓ اور ان کے دونوں ساتھیوں کو شریک جہاد نہ ہونے کی وجہ سے کیسی عبرتناک سزا دی گئی کہ پچاس دن تک ان سے نہ کوئی سلام وکلام کرتا، نہ سلام کا جواب دیتا اور ان کے لیے زمین تنگ ہو کر رہ گئی۔

قرآن میں دفاع کا ذکر

قرآن میں دفاع کا حکم صراحت کے ساتھ دیا گیا ہے۔ لیکن ایک نکتہ قابل لحاظ ہے۔ مکی سورتوں میں حکم دفاع کے ساتھ دو باتوں کی صراحت کی گئی ہے۔ ایک ظلم سے بڑھ کر بدلہ نہ لیا جائے اور دوسرے یہ کہ صبر کرو تو بہتر ہوگا۔

مدنی سورتوں میں بغیر کسی قید وشرط کے حکم دفاع ہے بلکہ اقدام اور پہل کرنے کا حکم ہے۔

مکی سورتوں میں

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ (الشوریٰ:۴۰)

ترجمہ: بُرائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے پھر جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ (النحل:۱۲۶)

ترجمہ: اگر تم بدلہ لے لو بس اسی قدر لے لو جس قدر تم پر زیادتی کی گئی ہو، لیکن اگر تم صبر کرو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں ہی کے حق میں بہتر ہے۔

مدنی سورتوں میں

وَقَاتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا (البقرۃ:۱۹۰)

ترجمہ: اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں مگر زیادتی نہ کرو۔

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ (البقرۃ:۱۹۴)

ترجمہ: جو تم پر دست درازی کرے تم بھی اسی طرح دست درازی کرو البتہ اللہ سے ڈرتے رہو۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ. (الحج:۴۰-۳۹)

ترجمہ: اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیئے گئے صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے ''ہمارا رب اللہ ہے''۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا (النساء:۷۵)

ترجمہ: آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لئے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا! ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی اور مددگار پیدا کر دئے۔

دفاع حدیث میں

① ابوداؤد میں حضرت ابوموسیٰؓ کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ کو جب کسی قوم سے اندیشہ ہوتا تو دعا کرتے اللّٰھم انا نجعلک فی نحورھم ونعوذبک من شرورھم یعنی اے اللہ ہم ان کے مقابلہ میں تجھ کو کرتے ہیں اور ان کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔

② بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا: لا تتمنوا لِقاءَ العدوِ واَسألُوا اللّٰہَ العافیۃَ فاذا لَقِیتُموھُم فَاصْبِرُوا۔ دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا نہ کرو، اللہ سے عافیت مانگو لیکن مڈبھیڑ ہو جائے تو ڈٹ جاؤ۔

③ بخاری شریف اور مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''من قتل دون مالہ فھو شھید'' جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں مارا گیا وہ شہید ہے۔

④ ابوداؤد اور ترمذی کی حدیث میں حضرت ابوالاعور سعیدؓ نے کہا میں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا ہے: ''من قُتِلَ دونَ مالہ فھو شھیدٌ و من قُتِلَ دون دمہ فھو شھید و من قتل دون دینہ فھو شھید و من قتل دون اھلہ فھو شھید'' جو مارا گیا اپنے مال کی حفاظت میں وہ شہید ہے۔ جو مارا گیا اپنی جان کی حفاظت میں وہ شہید ہے اور جو مارا گیا اپنے دین کی حفاظت میں وہ شہید ہے اور جو مارا گیا اپنے اہل و عیال کی حفاظت میں وہ شہید ہے۔

⑤ مسلم شریف کی حدیث ہے حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ ایک آدمی حضور ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ کا کیا خیال ہے اگر ایک آدمی آئے میرا مال چھیننے کے لئے۔
آپ ﷺ نے فرمایا اس کو اپنا مال نہ دے، سائل نے عرض کیا اگر وہ مجھ سے جنگ کرے۔ فرمایا تو اس سے جنگ کر۔ سائل نے دریافت کیا اگر وہ مجھ کو قتل کر دے تو آپ نے فرمایا تو شہید ہوگا۔ پھر سائل بولا اگر میں اس کو قتل کر دوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ دوزخ میں جائے گا۔

⑥ مسلم شریف کی حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ''من علم الرمی ثم ترکہ فلیس منا او قد عصی'' جس کو تیراندازی سکھائی گئی، پھر اس نے تیراندازی چھوڑ دی وہ ہم میں سے نہیں یا اس نے نافرمانی کی۔

(۷) ابوداؤد کی ایک روایت میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ''اللہ تعالیٰ ایک تیر کے ذریعہ تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرے گا۔ بنانے والا جو اس کے بنانے میں حصول خیر کی نیت رکھتا ہو، تیر پھینکنے والا اور تیر کو اٹھانے والا۔ تیر چلاؤ اور سواری کرو اور تیر چلانا سواری کرنے سے بہتر ہے۔ اور جس نے سیکھنے کے بعد بے رغبتی کی وجہ سے تیراندازی چھوڑ دی تو اس نے ایک خاص نعمت کو ضائع کر دیا۔

(۸) بخاری و مسلم کی حدیث ہے، حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''الحرب خدعة''۔ جنگ دھوکہ ہے۔

دفاع فقہ میں

دفاعی جہاد بالاجماع فرض عین ہے۔ ملک اور مقام کی، زمانہ اور وقت کی، کثرت اور قلت کی، خوشحالی اور تنگ دستی کی کوئی شرط نہیں ہے۔ ہر شخص پر فرض ہوتا ہے کہ دفاعی جہاد میں شریک ہو اور اپنا حق ادا کرے۔ حتیٰ کہ عورت بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ اس کے لئے بھی نکلنا واجب ہوگا ضرورت پر۔ اس فرض کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لئے یہ کافی ہے کہ عورت شوہر کی اجازت کے بغیر نکل سکتی ہے۔ بیٹے کو باپ کی اور غلام کو آقا کی بھی اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

علامہ جصاصؒ کہتے ہیں۔

''تمام مسلمانوں کے اعتقاد میں یہ معلوم بات ہے کہ جب سرحدی علاقہ کے لوگوں کو دشمن کا خطرہ لاحق ہو اور ان کے اندر دفاع کی قوت نہ ہو، ان کی جان اور ان کا مال، ان کی عورتیں اور ان کے بچے خطرے میں گھرے ہوں تو پوری امت پر فرض ہو جاتا ہے کہ ان کی طرف ایسے لوگ روانہ ہوں جو ان سے ان کے دشمنوں کو روک سکیں۔ امت کے درمیان اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ان سے بیٹھ رہنے کو کسی نے جائز قرار نہیں دیا ہے کہ مسلمانوں کی جان اور مسلمانوں کی عورتیں اور بچوں کی جان کو دشمن حلال کر لیں۔''

دفاع کی اہمیت

''الجہاد فی الاسلام'' میں دفاع کی اہمیت بتاتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں:

''قرآن اپنے پیروؤں میں حمایت حق کی ایسی ناقابل تسخیر روح پیدا کرنا چاہتا ہے جس سے ان کے اندر کسی حال میں بدی و شرارت کے آگے سر جھکانے اور ظلم وطغیان کے تسلط کو قبول کرنے کی کمزوری پیدا نہ ہونے پائے۔ قرآنی تعلیم کے مطابق انسان کی سب سے بڑی ذلت یہ ہے کہ وہ اپنے عیش و آرام یا مال و دولت یا اہل وعیال کی محبت میں مبتلا ہو کر حفاظت حق کی سختیوں سے ڈرنے لگے اور باطل کو طاقتور دیکھ کر اس کی غلامی قبول کرنے کیلئے آمادہ ہو جائے، قرآن جو درحقیقت صحیفہ فطرت ہے، فطرت کے اس راز کو پوری طرح ملحوظ

رکھتا ہے۔ اسی بناء پر اس نے انسان کو صرف دو راہیں بتائی ہیں۔ یا موت یا شرف۔ زندگی بے شرف کی تیسری راہ اس نے نہیں بتائی۔ چاہے اس کے بدنصیب پیروؤں نے اپنے ایمان کی کمزوری اور حوصلہ کی پستی سے اس کو خود اختیار کرلیا ہو......قرآن حکیم نے سب معاملات میں تحمل اور برداشت کی تعلیم دی ہے مگر ایسے حملہ کو برداشت کرنے کی تعلیم نہیں دی جو دین اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں پر اسلام کے سواء دوسرا نظام مسلط کرنے کیلئے کیا جائے۔ اس نے سختی کے ساتھ حکم دیا ہے کہ جو کوئی تمہارے انسانی حقوق چھیننے کی کوشش کرے، تم پر ظلم وستم ڈھائے، تمہاری جائز ملکیتوں سے تم کو بے دخل کرے، تم سے ایمان وضمیر کی آزادی سلب کرے، تمہیں اپنے دین کے مطابق زندگی بسر کرنے سے روکے، تمہارے اجتماعی نظام کو درہم برہم کرنا چاہے اور اس وجہ سے تمہارے درپۓ آزار ہو کہ تم اسلام کے پیرو ہو تو اس کے مقابلہ میں ہرگز کمزوری نہ دکھاؤ اور اپنی پوری طاقت اس کے اس ظلم کو دفع کرنے میں صرف کرو۔

دفاع کے ان احکام سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے ان دینی فرائض میں جو ان کی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں سب سے بڑا اور سب سے اہم فرض یہ ہے کہ وہ اپنے دین اور اپنے قومی استقلال کی سختی کے ساتھ حفاظت کریں اور اپنے قومی اور دینی وجود کو کسی حال میں فتنہ سے مغلوب نہ ہونے دیں۔ اس کیلئے اسلام نے اپنے پیروؤں کو جنگ کی محض اجازت ہی نہیں دی بلکہ تاکید کی ہے اور تاکید بھی ایسی سخت جس کی کیفیت اوپر بیان کی گئی ہے۔ مگر حملہ کی صرف یہی ایک صورت نہیں ہے کہ ایک سلطنت باقاعدہ اعلان جنگ کر کے دارالاسلام پر حملہ آور ہو اور اس کو فتح کر کے مسلمانوں کو مٹانے یا غلام بنانے یا ان کی مذہبی آزادی کو سلب کرنے کی کوشش کرے بلکہ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی صورتیں ہیں جن سے ایک قوم کے امن واطمینان اور اس کی اجتماعی زندگی کو خطرہ میں مبتلا کیا جاسکتا ہے۔

''اب دفاعی جنگ کی ان تمام صورتوں پر جو سطور بالا میں بیان کی گئی ہیں ایک غائر نظر ڈالیے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ ان سب کے اندر ایک ہی مقصد کام کر رہا ہے اور وہ یہ کہ مسلمان اپنے دین اور اپنے قومی وجود کو کسی حال میں بدی وشرارت سے مغلوب نہ ہونے دیں۔ اور یہ بدی جس راہ سے بھی خروج کرے خواہ باہر سے خواہ اندر سے اس کا سر کچلنے کے لئے ہر وقت مستعد رہیں۔ اللہ کو مسلمانوں سے جو خدمت لینی ہے اس کے لئے اولین ضرورت ان کا فتنوں اور خرخشوں سے محفوظ رہنا اور ان کی قومی وسیاسی طاقت کا محفوظ رہنا ہے۔ اگر وہ خود اپنے آپ کو مٹنے سے نہ بچائیں اور اندرونی وبیرونی دشمنوں کی فتنہ پردازیوں سے غفلت برت کر اپنے تیئں ان اجتماعی امراض کا شکار ہو جانے دیں جنہوں نے اگلی ظالم قوموں کو ذلت ومسکنت اور غضب الٰہی میں مبتلا کیا تو ظاہر ہے کہ وہ صرف خود اپنے آپ ہی کو ہلاکت میں نہ ڈالیں گے بلکہ انسانیت کی اس خدمت عظیم کو انجام دینے کے قابل نہ رہیں گے، جس کے لئے وہ پیدا کئے گئے ہیں اور یہ ان کا صرف اپنے اوپر ہی

نہیں بلکہ تمام عالم انسانی پر ظلم ہوگا۔ پس ان کو کھول کھول کر نہایت وضاحت کے ساتھ ان دشمنوں کے نشانات بتائے گئے ہیں، جو ان کی بربادی کے موجب بنتے ہیں یا بن سکتے ہیں اور ایک ایک کا دھڑ توڑ دینے کی تاکید کی گئی ہے تاکہ وہ دنیا سے ہدایت کے نور کو مٹانے اور عالم گیر اصلاح کے کام میں سدراہ بننے کے قابل نہ رہیں۔ پھر اس کے لئے صرف اسی وقت تلوار اٹھانے کی ہدایت نہیں کی گئی جب کہ بدی اپنا سر نکالے اور فتنہ پردازی شروع کر دے بلکہ اس کے مقابلہ پر ہر وقت کمربستہ و مستعد رہنے کی تاکید کی گئی ہے تاکہ اسے سر نکالنے کی جرأت ہی نہ ہو سکے اور اس پر حق کی ایسی ہیبت بیٹھی رہے کہ اس کا دف اندر ہی اندر مر جائے۔'' (صفحہ:۸۰،۸۱)

دفاع کی حکمت عملی

عن عمران بن حصين قال كان ثقيف حليفا لبني عقيل فاسرت ثقيف رجلين من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم واسر اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلا من بني عقيل فاوثقوه فطرحوه في الحرة فمر به رسول الله صلى الله عليه وسلم فناداه يا محمد يا محمد فيما اخذت قال بجريرة حلفاء كم ثقيف فتركه ومضى فناداه يا محمد يا محمد فرحمه رسول الله صلى الله عليه وسلم فرجع قال ماشانك قال اني مسلم فقال لو قلتها وانت تملك امرك افلحت كل الفلاح قال ففداه رسول الله صلى الله عليه وسلم بالرجلين الذين اسرتهما ثقيف. (رواہ مسلم)

ترجمہ: عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ قبیلہ ثقیف حلیف تھا قبیلہ بنی عقیل کا۔ ثقیف کے لوگوں نے دو مسلمانوں کو قید کر لیا تھا۔ صحابہ کرامؓ نے انتقام میں قبیلہ بنی عقیل کے ایک آدمی کو پکڑ لیا اور اس کو باندھ کر گرم پتھر پر ڈال دیا۔ اللہ کے رسول ﷺ کا اس کے پاس سے گزر ہوا۔ وہ آدمی چلایا۔ یا محمد یا محمد! مجھے کس جرم میں پکڑا گیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا۔ تمہارے حلیف ثقیف کے جرم میں۔ اتنا کہہ کر آپ ﷺ آگے بڑھ گئے۔ اس نے پھر آواز دی۔ یا محمد یا محمد! اس پر آپ ﷺ کو ترس آ گیا اور آپ ﷺ لوٹ پڑے اور پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ اس نے کہا میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ جس وقت تم آزاد تھے اس وقت اگر تم نے یہ بات کہی ہوتی تو تم پوری طرح کامیاب ہو گئے ہوتے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس آدمی کو دونوں مسلمانوں کی رہائی کی شرط پر چھوڑا۔

جہاد کیا ہے؟



لغوی اعتبار سے جہاد کے معنی کسی معاملہ میں اپنی پوری کوشش لگا دینے کے ہیں اور شرعی لحاظ سے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے دین پر عمل، دین کی خدمت اور دین کی سربلندی کے لئے اپنی پوری طاقت خرچ کر دینا جہاد ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

المجاهد من جاهد نفسه في طاعة الله (رواہ الترمذی)

ترجمہ: مجاہد وہ ہے جو جہاد کرے اپنے نفس سے اللہ کی اطاعت میں۔

والمهاجر من هجر ما نهى الله عنه. (رواہ البخاری)

ترجمہ: اور مہاجر وہ ہے جو چھوڑ دے اس کو جس سے اللہ نے روکا ہے۔

بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص جہاد کے لئے اجازت لینے آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟ اس نے کہا، ہاں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا "ففيهما فجاهد"، یعنی تم انہیں کے بارے میں جہاد کرو۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے ایک شخص آیا اور حضور ﷺ سے کہا "دلني على عمل كعدل الجهاد"، مجھ کو کوئی ایسا عمل بتایئے جو جہاد کے برابر ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا "لا اجده"، میں اس کو نہیں پاتا۔

حضرت ابوہریرہؓ ہی کی ایک روایت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَبِرَسُولِهِ، وَأَقَامَ الصَّلَاةَ، وَصَامَ رَمَضَانَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ، أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ جَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، أَوْ جَلَسَ فِي أَرْضِهِ الَّتِي وُلِدَ فِيهَا، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَفَلَا نُبَشِّرُ النَّاسَ، قَالَ: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللّٰهُ

لِلْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، مَابَيْنَ الدَّرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ۔

(رواہ بخاری)

ترجمہ: جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، نماز قائم کرے اور رمضان کے روزے رکھے اس کو جنت میں داخل کرنا اللہ پر حق ہے جہاد فی سبیل اللہ کرے یا اپنے پیدائشی مقام میں بیٹھا رہے، لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا ہم لوگوں کو بشارت دے دیں، آپ ﷺ نے فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں جن کو اللہ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے واسطے تیار کر رکھا ہے، ہر دو درجہ میں اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان فاصلہ ہے۔

مسند احمد کی روایت ہے کہ عمرو بن عبسہ ؓ نے بیان کیا:

قَالَ رجُلٌ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا الْإِسْلَامُ؟ قَالَ: أَنْ يُسْلِمَ قَلْبُکَ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَأَنْ يَسْلَمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِکَ وَيَدِکَ۔ قَالَ: فَأَيُّ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: الْإِيْمَانُ۔وَفِي رِوَايَةٍ: قَالَ: خُلُقٌ حَسَنٌ، قَالَ: وَمَا الْإِيْمَانُ؟ قَالَ: تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَلَائِکَتِهِ وَ کُتُبِهِ وَ رُسُلِهِ وَ الْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ۔وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ: وَمَا الْإِيْمَانُ؟ قَالَ: الصَّبْرُ وَالسَّمَاحَةُ، قَالَ: فَأَيُّ الْإِيْمَانِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: الْهِجْرَةُ۔ قَالَ: وَمَا الْهِجْرَةُ؟ قَالَ: تَهْجُرُ السُّوْءَ۔ قَالَ: فَأَيُّ الْهِجْرَةِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: الْجِهَادُ۔ قَالَ: وَمَا الْجِهَادُ؟ قَالَ: أَنْ تُقَاتِلَ الْکُفَّارَ إِذَا لَقِيْتَهُمْ۔ قَالَ: فَأَيُّ الْجِهَادِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: مَنْ عُقِرَ جَوَادُهُ وَأُهْرِيْقَ دَمُهُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم: ثُمَّ عَمَلَانِ هُمَا أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ إِلَّا مَنْ عَمِلَ بِمِثْلِهِا، حَجَّةٌ مَبْرُوْرَةٌ أَوْ عُمْرَةٌ۔

ترجمہ: ایک شخص نے دریافت کیا۔ اے اللہ کے رسول! اسلام کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہ تیرا دل اللہ کے لیے جھک جائے اور یہ کہ تیرے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔

پھر اس نے سوال کیا۔ کون سا اسلام افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ایمان۔

اس نے سوال کیا۔ ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ کہ تم ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے ملائکہ پر، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر، اور زندگی بعد الموت پر۔

سائل نے پھر سوال کیا۔ کون سا ایمان افضل ہے؟ فرمایا: ہجرت۔

اس نے سوال کیا۔ ہجرت کیا ہے؟ فرمایا: یہ کہ تم برائی کو چھوڑ دو۔

اس نے پوچھا۔ کون سی ہجرت افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جہاد۔

اس نے کہا جہاد کیا ہے؟ فرمایا: یہ کہ جب تم کفار سے ملو تو ان سے لڑو۔

اس نے کہا۔ کون سا جہاد افضل ہے؟ ارشاد فرمایا: اس کا جہاد جس کا گھوڑا اور وہ خود ختم ہو گئے ہوں۔

آپ ﷺ نے مزید فرمایا، اس کے بعد دو عمل افضل الاعمال ہیں مگر جو انہیں جیسا عمل کرے حج اور عمرہ۔

اوپر کی پہلی دو حدیثوں میں لفظ جہاد غیر قتال کے لیے استعمال ہوا ہے لیکن پھر تین حدیثوں میں صاف طور سے قتال کے معنی میں استعمال ہوا ہے اس طرح قرآن میں بعض موقع پر عام کوشش کے لیے آیا ہے، مثلاً سورۃ الفرقان کی آیت ہے "جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا"۔ یعنی قرآن کے ذریعہ بڑا جہاد کرو۔ لیکن دس سے زیادہ مقامات پر جہاد کا لفظ صریح طور پر قتال کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس طرح شرعی نصوص اور دینی لٹریچر میں جہاد بمعنی قتال ہی سمجھا جاتا ہے۔ الا یہ کہ اس کے خلاف کوئی قرینہ ہو۔

علامہ ابن حجرؒ نے کہا ہے:

"بذلُ الْجُهْدِ فِي قِتَالِ الْكُفَّارِ"۔ یعنی جہاد کفار سے جنگ میں کوشش صرف کرنا ہے۔

علامہ عسقلانیؒ کہتے ہیں:

قِتَالُ الْكُفَّارِ لِنصْرَةِ الْإِسْلَامِ وَإِعْلَاءِ كَلِمَةِ اللّٰهِ"۔

''جہاد اسلام کی مدد اور اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے کفار سے جنگ کرنا ہے۔

صاحب الدر المختار فرماتے ہیں:

الدعَاءِ إِلى الدِّينِ الْحق وَقِتَالُ مَنْ لَمْ يقبله

یعنی دین حق کی طرف بلانا اور جو اس کو نہ قبول کریں ان سے جنگ کرنا جہاد ہے۔

علامہ ابن حجرؒ، علامہ عسقلانیؒ اور صاحب الدر المختارؒ جہاد کے معنی قتال کے بتاتے ہیں۔ علامہ ابن رشدؒ نے ایک اصولی بات کہہ کر مسئلہ کی نوعیت واضح کر دی ہے:

وَجَهَادُ السَّيْفِ قِتَالُ الْمُشْرِكِينَ عَلَى الدِّينِ فَكَلّ مِنَ الْقَلْب نَفْسَهُ فِي ذَاتِ اللّٰهِ فَقَدْ جَاهَدَ فِي سَبِيلِهِ إِلَّا أَنَّ الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ إِذَا طَلَقَ فَلَا يَقَعُ بِإِطْلَاقِهِ إِلَّا عَلَى مُجَاهَدَةِ الْكُفَّارِ بِالسَّيْفِ حَتَّى يَدْخُلُوا فِي الْإِسْلَامِ او يعطوا الجِزْيَةَ عَنْ يَدٍوَّ هُم صَاغِرُونَ۔

ترجمہ: جہاد بالسیف دین کی بنیاد پر مشرکین سے جنگ کرنا ہے۔ پس جس شخص نے اپنے آپ کو اللہ کیلئے تھکایا اس نے جہاد کیا۔ لیکن جہاد فی سبیل اللہ جب مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے مراد کفار سے جہاد بالسیف کرنا ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ اسلام میں داخل ہو جائیں یا جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔ (مقدمات ابن رشد)

گویا علامہ ابن رشدؒ نے ساری آیات، احادیث اور اقوال علماء کا نچوڑ پیش کر دیا ہے۔ اس توجیہ سے ہر بات اپنی جگہ اپنے خانہ میں بیٹھ جاتی ہے اور ہر ایک کا مقام بھی متعین ہو جاتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاد کے زمرے میں ہر وہ کام شامل ہے جو رضائے الٰہی کے لیے کیا جائے مگر قرآن وحدیث میں جب مطلق جہاد فی سبیل اللہ کا لفظ آتا ہے تو اس سے مراد کفار ومشرکین کے ساتھ جنگ ہی ہوتی ہے اور اکثر وبیشتر وعدے اور ترغیب اسی جہاد کے لئے آتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہاد کا اعلیٰ مرتبہ یہی ہے اگر چہ حصول مقصد میں معاون کئی چیزوں کو جہاد کہا جا سکتا ہے اور اس کے درجہ کے مطابق اس کا اجر وثواب بھی ملے گا لیکن اس سلسلہ کا کوئی بھی کام اس اصل جہاد کا بدل نہیں بن سکتا ہے اور نہ اس کے درجہ اور مرتبہ کو پہنچ سکتا ہے۔

اور یہ بات نہایت ہی معقول اور سمجھ میں آنے والی ہے کہ انذار، تبشیر دعوت اور تبلیغ چاہے لسانی ہو کہ قلمی، ان میں سے کوئی چیز بھی معرکۂ اسلام وجاہلیت میں وہ کام نہیں کر سکتی جو سر بکف مجاہد کی تلوار کرتی ہے۔ بدی کے دیو، برائیوں کے سرغنہ اور شیطان کے ایجنٹ ابوجہل اور ابولہب کو بے اثر بنانے کے لیے تلوار ہی ایک موثر ذریعہ ہے۔ افہام وتفہیم اور دعوت وتبلیغ کے ذریعہ سلیم الطبع، خیر پسند اور شریف لوگوں سے نمٹا جا سکتا ہے لیکن کیا کیا جائے کہ ہمیشہ انسانوں کی گردن ظالموں اور جابروں کے پنجہ میں ہوتی ہے جو کبھی سیدھی اور معقول بات نہ خود سمجھنے اور سننے کے لیے تیار ہوتے ہیں اور نہ انہیں یہ پسند ہوتا ہے کہ دوسرے سنیں اور سنائیں۔ اس لیے وہ اپنی پوری کوشش سے حق کو اور حق وانصاف کی آواز لگانے والوں کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کے مقابلہ میں وہی لوگ آ سکتے ہیں جو حق کی راہ میں اپنی جان قربان کرنے کا عزم رکھتے ہوں اور اپنی پوری متاع حیات لے کر میدان میں اتر آتے ہیں۔ اگر سرفروشوں کا یہ گروہ نہ ہو تو برسوں کی دعوت وتبلیغ کے اثرات پل بھر میں ختم ہو سکتے ہیں۔ معرکۂ بدر میں اللہ کے رسول ﷺ نے دعا فرمائی تھی:

''اے اللہ یہ مٹھی بھر گروہ اگر ختم ہو جائے گا تو زمین میں تیری عبادت کبھی نہ کی جائے گی۔''

یہ ہے اصل جہاد کی اہمیت۔ اس کی نفی اور تردید کرنے یا اس کا نعم البدل بنانے کے لیے کسی دوسرے کام کو پیش کیا جائے تو یہ صرف ایک بے اصل اور بے دلیل بات ہی نہ ہو گی بلکہ ایک ایسا خطرناک اور مجرمانہ فعل ہو گا، جو اجر وثواب کے بجائے الٹا عذاب اور غضب الٰہی کا سبب ہو گا۔

ایک موضوع حدیث

کسی غزوہ سے واپس آنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ''رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ

الاکبر"۔ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹے۔بیہقی نے اس حدیث کی سند کوضعیف کہا ہے۔اس کے ایک راوی یحییٰ بن علاء کوابن حجرؒ نے حدیث گھڑنے والا کہا ہے۔ذہبیؒ نے میزان میں لکھا ہے وہ ضعیف راوی ہے۔یہی بات ابن معین نے کہی ہے دارقطنیؒ نے یحییٰ بن علاءؒ کو متروک الحدیث بتایا ہے۔احمد بن حنبلؒ نے جھوٹا بتایا ہے۔حسن البناءؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے۔علماء کے ان اقوال کے علاوہ اس کا مضمون قرآن سے صریح طور پرٹکرانے والا ہے۔

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا○دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا○

(النساء:۹۶،۹۵)

ترجمہ:مسلمانوں میں سے وہ لوگ جو کسی معذوری کے بغیر گھر بیٹھے رہتے ہیں اور وہ جو اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرتے ہیں،دونوں کی حیثیت یکساں نہیں ہے اللہ نے بیٹھنے والوں کی بہ نسبت جان و مال سے جہاد کرنے والوں کا درجہ بڑا رکھا ہے اگرچہ ہر ایک کے لیے اللہ نے بھلائی ہی کا وعدہ فرمایا ہے مگر اُس کے ہاں مجاہدوں کی خدمات کا معاوضہ بیٹھنے والوں سے بہت زیادہ ہے۔اُن کے لیے اللہ کی طرف سے بڑے درجے ہیں اور مغفرت اور رحمت ہے،اور اللہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

مولانا مفتی شفیع صاحبؒ اس آیت پر لکھتے ہیں:

"علماء تفسیر نے فرمایا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں جہاد فرض کفایہ ہے کہ بعض لوگ اس کو ادا کرلیں تو باقی مسلمان سبک دوش ہوجاتے ہیں۔بشرطیکہ جو لوگ جہاد میں مشغول ہیں وہ اس جہاد کے لیے کافی ہوں اور اگر وہ کافی نہیں تو ان کے قرب وجوار کے مسلمانوں پر فرض عین ہوجائے گا کہ مجاہدین کی مدد کریں۔

اس آیت میں "وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى" فرما کر ان لوگوں کو بھی مطمئن فرمادیا ہے جو جہاد کے علاوہ دوسری دینی ضرورتوں میں مشغول ہیں۔لیکن یہ حکم عام حالات میں ہے جب کہ کچھ لوگوں کا جہاد اسلام کے دشمنوں کی مدافعت کے لیے کافی ہو۔اور اگر ان کا جہاد کافی نہ رہے ان کو مزید کمک کی ضرورت ہو تو اول قرب وجوار کے مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہوجاتا ہے۔وہ بھی کافی نہ ہوں تو ان کے آس پاس کے لوگوں پر فرض عین ہوجاتا ہے۔اور وہ بھی کافی نہ رہیں تو دوسرے مسلمانوں پر یہاں تک کہ مشرق و مغرب کے ہر مسلمان کا یہ فرض ہوجاتا ہے کہ اس میں شریک ہو۔"

فضائل جہاد



اللہ کی راہ میں مرنا ہی حقیقی زندگی ہے لیکن عام طور سے لوگوں کو اس کا شعور نہیں ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (البقرۃ:۱۵۴)

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں، انہیں مردہ نہ کہو، ایسے لوگ تو حقیقت میں زندہ ہیں، مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا۔

اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مومن ہی حقیقت میں رحمت خداوندی کے امیدوار ہیں:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰۗىِٕكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (البقرۃ:۲۱۸)

ترجمہ: بخلاف اس کے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے خدا کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا اور جہاد کیا ہے، وہ رحمت الٰہی کے جائز امیدوار ہیں اور اللہ ان کی لغزشوں کو معاف کرنے والا اور اپنی رحمت سے انہیں نوازنے والا ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ○ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ (آل عمران ۱۶۹-۱۷۱)

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں انہیں مردہ نہ سمجھو، وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں۔ اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں، جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے اُس پر خوش و خرم ہیں۔ اور مطمئن ہیں کہ جو

اہل ایمان ان کے پیچھے دنیا میں رہ گئے ہیں اور ابھی وہاں نہیں پہنچے ہیں ان کے لیے بھی کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔ وہ اللہ کے انعام اور اس کے فضل پر شاداں وفرحاں ہیں اور ان کو معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ مؤمنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے شہداء کی ارواح ہری چڑیوں کے پیٹ میں ہوں گی۔ان کے قندیل ''گھونسلے'' عرش سے لٹکے ہوئے ہوں گے۔ جنت میں وہ جہاں چاہیں گی پھریں گی۔ پھران قندیلوں میں بسیرا کریں گی ان کا رب ان سے فرمائے گا کیا تمھیں کسی چیز کی خواہش ہے؟ وہ جواب دیں گے اے رب! ہم کس چیز کی خواہش کریں۔ جنت میں جہاں جی چاہتا ہے پھرتے ہیں۔ان کا رب تین بار یہ سوال کرے گا۔آخر میں وہ کہیں گے اے رب! ہم چاہتے ہیں کہ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں لوٹا دیا جائے۔ یہاں تک کہ ہم دوبارہ اللہ کی راہ میں مارے جائیں۔

اللہ کی راہ میں لڑنا ایسے لوگوں کا کام ہے جن کے پیش نظر صرف خوشنودی رب کا حصول ہو، اور جو اپنی کامیابی اور خوشحالی کے سارے امکانات قربان کرنے کے لئے تیار ہوں۔

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا (النساء:۷۴)

ترجمہ: اللہ کی راہ میں لڑنا چاہیئے ان لوگوں کو جو آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی کو فروخت کر دیں، پھر جو اللہ کی راہ میں لڑے گا اور مارا جائے گا یا غالب رہے گا اُسے ضرور ہم اجر عظیم عطا کریں گے۔

خدا کے نزدیک اصل قدرو قیمت خدا کی راہ میں قربانی اور جان لڑانے کی ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو کوئی شرف وتقدس پر مبنی مذہبی اعمال بے حیثیت قرار دیئے جائیں گے۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللهِ وَاللهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ○ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ○ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ○ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا اِنَّ اللهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ○ (التوبۃ:۱۹-۲۲)

ترجمہ: کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی مجاوری کرنے کو اس شخص کے کام کے برابر

ٹھہرالیا ہے جو ایمان لایا اللہ پر اور روز آخر پر اور جس نے جانفشانی کی اللہ کی راہ میں۔ اللہ کے نزدیک تو دونوں برابر نہیں ہیں۔ اور اللہ ظالموں کی رہنمائی نہیں کرتا۔ اللہ کے ہاں تو ان ہی لوگوں کا درجہ بڑا ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اس کی راہ میں گھر بار چھوڑا اور جان و مال سے جہاد کیا۔ وہی کامیاب ہیں۔ ان کا رب انہیں اپنی رحمت اور خوشنودی اور ایسی جنتوں کی بشارت دیتا ہے جہاں ان کے لئے پائیدار عیش کے سامان ہیں۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یقیناً اللہ کے پاس خدمات کا صلہ دینے کو بہت کچھ ہے۔

جان و مال کے ساتھ جہاد اللہ کے رسول اور حقیقی مؤمنوں کی امتیازی شان ہے جنت اور ساری بھلائیوں کے وعدے اسی بناء پر ہیں۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (التوبۃ:۸۸-۸۹)

ترجمہ: بخلاف اس کے رسول ﷺ نے اور ان لوگوں نے جو رسول ﷺ کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی جان و مال سے جہاد کیا اور اب ساری بھلائیاں ان ہی کے لئے ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔ اللہ نے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ ہے عظیم الشان کامیابی۔

اللہ کی راہ میں مارے جانے والے ہر لحاظ سے کامیاب ہیں۔ یہ خسارے کا سودا نہیں ہے بلکہ نفع کا سودا ہے۔

وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ، سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ، وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ. (سورۂ محمد ۴-۶)

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں گے اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ وہ ان کی رہنمائی فرمائے گا۔ ان کا حال درست کر دے گا اور ان کو اس جنت میں داخل کرے گا۔ جس سے وہ ان کو واقف کرا چکا ہے۔

دنیا اور آخرت دونوں جہاں کی کامیابی ایمان کے ساتھ ساتھ جان و مال کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ پر موقوف ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ، تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ، يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ، وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (الصّف:۱۳-۱۰)

ترجمہ: اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، میں بتاؤں تم کو وہ تجارت جو تمہیں عذاب الیم سے بچا دے۔ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔ اللہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرلے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور ابدی قیام کی جنتوں میں بہترین گھر تمہیں عطا کرے گا۔ یہ ہے بڑی کامیابی اور وہ دوسری چیز جو تم چاہتے ہو وہ بھی تمہیں دے گا۔ اللہ کی طرف سے نصرت اور قریب ہی میں حاصل ہو جانے والی فتح۔ اے نبی! اہل ایمان کو اس کی بشارت دے دو۔

بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی حضور ﷺ کے پاس آیا اور کہا آپ مجھے ایسا عمل بتائیے جو جہاد کے برابر ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں ایسا عمل نہیں پاتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ کیا تم ایسا کر سکتے ہو کہ مجاہد جتنے دن جہاد میں رہے تم اتنے دن مسجد میں جا کر برابر نماز پڑھتے رہو اور مسلسل روزہ رکھتے رہو۔ اس آدمی نے کہا: یہ کون کرسکتا ہے!

حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک دوسری روایت ہے کہ انہوں نے کہا میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجاہد فی سبیل اللہ کی مثال روزہ رکھنے والے اور نماز پڑھنے والے کی سی ہے اور اللہ نے مجاہد کے لئے یہ ذمہ لے لیا ہے کہ یا تو اسے وفات دے کر اسے جنت میں داخل کرے گا یا اسے صحیح سالم اجر و ثواب اور مال غنیمت کے ساتھ واپس لائے گا۔ یہاں اللہ کو علم ہے کہ فی سبیل اللہ کون جہاد کرنے والا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جنت کے ایک سو درجے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لئے تیار کیا ہے ہر دو درجوں کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا زمین اور آسمان کے درمیان فاصلہ ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کوئی مرجانے والا بندہ جس کو اللہ کے پاس خیر ملا ہو دنیا کی طرف لوٹنے سے خوش نہ ہوگا خواہ دنیا و مافیہا اسے مل جائے۔ ہاں شہید، جس نے شہادت کی فضیلت پائی ہے اس کو یہ بات خوش کرے گی کہ اسے دنیا کی طرف لوٹایا جائے اور پھر وہ دوبارہ شہید کیا جائے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک اور روایت میں ہے کہ فی سبیل اللہ جس کو کوئی زخم لگے گا وہ قیامت کے دن اس

حال میں آئے گا کہ رنگ خون کا رنگ ہوگا اور خوشبو مشک کی خوشبو ہوگی۔

ابوعبس عبدالرحمٰنؓ کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جس بندہ کے دونوں قدم غبار آلود ہوں گے اس کو جہنم کی آگ نہ چھوئے گی۔

عبداللہ بن ابی اوفیؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "واعلموا ان الجنة تحت ظلال السیوف"، جان لو جنت تلوار کے سایوں میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس نے فی سبیل اللہ کوئی گھوڑا پالا، اللہ پر ایمان کے ساتھ، اور اس کے وعدہ کو سچ مانتے ہوئے تو گھوڑے کا چارہ، پانی، اس کی لید اور اس کا پیشاب روز حشر اس آدمی کے میزان میں ہوگا۔

یہ سب روایتیں بخاری شریف کی ہیں۔

ترکِ جہاد

جہاد سے کترانا اور جی چرانا نفاق کی علامت ہے:

لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ. اِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ (التوبہ ۴۴-۴۵)

ترجمہ: جو لوگ اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہیں وہ تو کبھی تم سے یہ درخواست نہ کریں گے کہ انہیں اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد کرنے سے معاف رکھا جائے۔ اللہ متقیوں کو خوب جانتا ہے۔ ایسی درخواستیں تو صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ اور روز آخر پر ایمان نہیں رکھتے۔ جن کے دلوں میں شک ہے اور وہ اپنے شک ہی میں متردد ہو رہے ہیں۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (التوبۃ:۸۱-۸۲)

ترجمہ: جن لوگوں کو پیچھے رہ جانے کی اجازت دے دی گئی تھی وہ اللہ کے رسول ﷺ کا ساتھ نہ دینے اور گھر بیٹھے رہنے پر خوش ہوئے اور انہیں گوارا نہ ہوا کہ اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کریں۔ انہوں

نے لوگوں سے کہا کہ ۔''اس سخت گرمی میں نہ نکلو'' ۔ان سے کہو کہ جہنم کی آگ اس سے زیادہ گرم ہے ۔ کاش انہیں اس کا شعور ہوتا ۔ اب چاہئے کہ یہ لوگ ہنسا کم کریں اور روئیں زیادہ ۔ اس لئے کہ جو بدی یہ کماتے رہے ہیں اس کی جزاء ایسی ہی ہے ۔

ابن کثیرؒ نے ابو عمران و مسلم سے ایک روایت نقل کی ہے کہ مہاجرین میں سے ایک صحابی نے قسطنطنیہ میں صف بستہ دشمن پر حملہ کر دیا یہاں تک کہ انہیں بکھیر دیا ۔ یہ دیکھ کر کچھ لوگوں نے کہا اس شخص نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا ۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ موجود تھے ۔ انہوں نے بیان کیا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے معرکوں میں حصہ لیا یہاں تک کہ اسلام غالب ہوگیا ۔ ہم نے سوچا اب جنگ کے مواقع ختم ہو گئے لہٰذا ہم کو اپنے اہل وعیال میں جا کر اطمینان کے ساتھ رہ جانا چاہئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔

وَاَنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّہۡلُکَۃِ (البقرۃ:۱۹۵)

ترجمہ: اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو ۔

معلوم ہوا کہ ہلاکت میں اپنے آپ کو ڈالنا گھر میں بیٹھے رہنا اور ترک جہاد ہے نہ کہ دشمن کی صف میں گھسنا اور ان کو تتر بتر کرنا ۔

قرآن ترک جہاد پر کتنے صاف اور شدید انداز میں اخروی اور دنیوی عذاب کی وعید سناتا ہے ۔

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا لَقِیۡتُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا زَحۡفًا فَلَا تُوَلُّوۡہُمُ الۡاَدۡبَارَ ۝ وَمَنۡ یُّوَلِّہِمۡ یَوۡمَئِذٍ دُبُرَہٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوۡ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَۃٍ فَقَدۡ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَمَاۡوٰىہُ جَہَنَّمُ وَبِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ (الانفال ۱۵-۱۶)

ترجمہ: اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جب تم ایک لشکر کی صورت میں کفار سے دوچار ہو تو ان کے مقابلہ میں پیٹھ نہ پھیرو ۔ جس نے ایسے موقع پر پیٹھ پھیری الا یہ کہ جنگی چال کے طور پر ایسا کرلے یا کسی دوسری فوج سے جا ملنے کے لئے ۔ تو وہ اللہ کے غضب میں گھر جائے گا ۔ اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور وہ بہت بری جائے بازگشت ہے ۔

اِلَّا تَنۡفِرُوۡا یُعَذِّبۡکُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ۙ وَّیَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ وَلَا تَضُرُّوۡہُ شَیۡئًا ؕ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ (التوبۃ:۳۹)

ترجمہ: تم نہ اٹھو گے تو خدا تمہیں دردناک سزا دے گا اور تمہاری جگہ کسی اور گروہ کو اٹھائے گا اور تم خدا کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ۔

زبان رسالت ﷺ سے سنئے اور کانپ جائیے:

لئن ترکتم الجهاد واخذتم باذناب البقر. وتبايعتم بالعينة. ليلزمنكم الله مذلة في رقابكم لاتنفک عنکم حتی تتوبوا الی اللّٰه وترجعوا الی ما کنتم علیه.

(رواہ احمد)

ترجمہ: اگر تم جہاد کو چھوڑ دو گے اور گائے کی دم پکڑ لو گے اور سودی کاروبار کرنے لگو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری گردنوں میں ذلت لازم کر دے گا جو تم سے دور نہ ہوگی یہاں تک کہ تم اللہ کی طرف توبہ کرو اور اپنی پچھلی حالت پر لوٹ آؤ۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

من لم يغز ولم يجهز غازيا او يخلف غازيا في اهله بخير اصابه اللّٰه بقارعة قبل يوم القيامة۔ (رواہ البیہقی)

ترجمہ: جس نے جنگ نہیں کی اور نہ کسی غازی کو تیار کیا اور نہ کسی غازی کی عدم موجودگی میں اس کے اہل وعیال کی دیکھ بھال کی تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو قیامت سے پہلے ایک سخت مصیبت سے دوچار کر دے گا۔

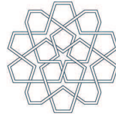
جس فریضہ کی کتاب وسنت میں یہ اہمیت بتائی گئی ہو اور جس کے ترک پر یہ وعیدیں سنائی گئی ہوں اس کو نہ صرف یہ کہ چھوڑا جا رہا ہے بلکہ اپنے اس عمل کو شرعی دلائل سے مدلل کرنے کی کوشش بھی کی جا رہی ہے اور اگر کچھ دیوانے اس کا تذکرہ کرتے ہیں تو ان کو دین وملت کا بدخواہ اور علم دین سے بے بہرہ قرار دیا جا رہا ہے۔ یہ ہماری فکری اور عملی زبوں حالی کی حد ہے اس کے بعد اگر ہماری مظلومیت بھری آہ آسمان تک نہیں پہنچتی تو کیا تعجب ہے!

اللہ اور اس کے رسول نے ہمارے مرض کا جو علاج بتایا اس کو برتنے کیلئے ہم تیار نہیں۔ ہم کو ٹچکلوں کی کھوج ہے۔ کتاب وسنت نے ہمارے سامنے جو شاہراہ کھول کر رکھ دی ہے اس پر ہم چلنے کیلئے آمادہ نہیں۔ ہم پگڈنڈیوں کی تلاش میں ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ صرف اس لئے ہے کہ ہمیں دنیا سے عشق ہے اہل دنیا سے دوستی ہے اور فی سبیل اللہ مرنے کی لذت سے ناآشنا ہیں۔ فی سبیل اللہ لذت شوق ہم نے نہیں پائی ہے اس ایمان و یقین سے دور ہیں جو مرنے ہی کو اصل جینا اور کھونے کو پانا باور کراتا ہے۔

یارب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو روح کو تڑپا دے جو قلب کو گرما دے



حکم جہاد کی تاریخ



اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں نبی ﷺ کو صرف زبان سے جہاد کرنے کا حکم تھا۔ ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ تھی۔

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا (الفرقان:۵۲)

ترجمہ: پس کافروں کی اطاعت نہ کرو اور قرآن کے ذریعہ ان سے بڑا جہاد کرو۔

ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ باقاعدہ منصوبہ کے تحت نہ اقدامی جنگ کی اجازت تھی اور نہ دفاعی جنگ کی۔ یہ بات یوں نکلتی ہے کہ انفرادی مدافعت اور ہاتھا پائی کے متعدد واقعات ہوئے ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ مارنے والوں کے سامنے سر جھکا دینا مطلوب نہ تھا۔ اپنے طور پر اپنا بچاؤ جو جس طرح کرسکتا تھا کرتا تھا اور ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ ہونے کے خلاف یہ بات نہ تھی بلکہ انفرادی دفاع جائز تھا کم و بیش تیرہ سال کے بعد باقاعدہ مدافعت یعنی دفاعی جنگ کی اجازت دی گئی۔ اس موقع پر یہ ذہن میں رہے کہ جس وقت تلوار اٹھانے کی یہ اجازت دی جارہی تھی مسلمانوں کی ساری طاقت مدینہ کے ایک قصبہ میں چند سو افراد پر مشتمل تھی۔

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ (الحج:۳۹)

ترجمہ: اجازت دے دی گئی ان کو جن سے کہ جنگ کی جارہی ہے۔ اس لئے کہ وہ مظلوم ہیں اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے پر قدرت رکھنے والا ہے۔

دفاعی جنگ کا کیا مفہوم ہے؟ اس کو متعین کرنا ضروری ہے۔ اس اجازت کے بعد ۱۶ر مہینہ کے اندر یعنی جنگ بدر سے پہلے پہلے ۸ر آٹھ فوجی مہم کا تاریخ میں ہمیں ثبوت ملتا ہے۔ بعض میں صرف ۱۲ر صحابہ تھے اور بعض میں دو سو تک لوگ تھے۔ بعض میں آپ بنفس نفیس شریک رہے اور اکثر میں کسی صحابی کی قیادت میں دستے روانہ ہوئے۔ مقصد اطراف و اکناف پر رعب ڈالنا اور مشرکین کے مختلف قافلوں کو چیک کر کے یہ ظاہر کرنا تھا کہ اب

ہم پہلے کی طرح خاموش نہیں بیٹھیں گے بلکہ ترکی بہ ترکی جواب دیں گے۔ان عسکری مہمات میں ٹکراؤ بعض ہی دفعہ ہوا اور وہ بھی معمولی۔لیکن اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دفاع کا صرف یہی مطلب نہیں ہے کہ جب دشمن دروازہ پر آجائے تو ڈٹ کر مقابلہ کرو۔بلکہ دفاع میں بغرض مدافعت اقدام بھی کرنا پڑتا ہے۔دشمن کی سازشوں، کارروائیوں کا پیشگی مطالعہ کرنا اور اس کے مطابق عمل کرنا، دشمن کا تعاقب کرنا، دشمن کی کھوج میں نکلنا اور دشمن کو پسپا کرنے کے لئے تیار اور مستعد رہنا سب دفاع میں شامل ہے۔

اگر کوئی شخص جنگی تیاری، دشمن کو مرعوب کرنے کے لئے کارروائی، دشمن کے ارادوں اور سازشوں کو معلوم کر کے اقدام کرنے اور ان کا تعاقب کرنے کو دفاعی عمل سے آگے کی چیز سمجھتا ہے تو اسے اس کا جواب دینا ہوگا کہ جنگ بدر سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عسکری مہمات کو کس خانہ میں رکھا جائے گا؟ اس لئے کہ اس وقت تک اقدامی جنگ کی اجازت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔

تیسرے مرحلہ میں ان لوگوں سے لڑنے کی اجازت دی گئی جو آمادۂ پیکار ہوں۔

وَقَاتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَکُمۡ وَلَا تَعۡتَدُوۡا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الۡمُعۡتَدِیۡنَ (البقرۃ:۱۹۰)

ترجمہ: اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں مگر زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

چوتھے اور آخری مرحلہ میں تمام کافروں سے جنگ فرض کر دی گئی خواہ وہ اپنی جگہ خاموش ہی کیوں نہ ہوں اور خواہ کتنے ہی بے ضرر کیوں نہ نظر آتے ہوں۔الا یہ کہ ان سے کوئی معاہدہ ہوا ہو یا ذمی بن گئے ہوں۔

وَقَاتِلُوا الۡمُشۡرِکِیۡنَ کَآفَّۃً کَمَا یُقَاتِلُوۡنَکُمۡ کَآفَّۃً وَّاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الۡمُتَّقِیۡنَ. (التوبۃ:۳۶)

ترجمہ: اور تم سب مل کر مشرکین سے لڑو جس طرح وہ سب مل کر تم سے لڑتے ہیں اور جان لو اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَلَا بِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَلَا یُحَرِّمُوۡنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗ وَلَا یَدِیۡنُوۡنَ دِیۡنَ الۡحَقِّ مِنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ حَتّٰی یُعۡطُوا الۡجِزۡیَۃَ عَنۡ یَّدٍ وَّہُمۡ صٰغِرُوۡنَ (التوبۃ:۲۹)

ترجمہ: اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے خلاف جنگ کرو جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ آخرت پر اور جو اللہ اور رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام نہیں مانتے اور نہ دین حق کو اپناتے ہیں لڑو یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔

یہ آیت اس باب میں صریح ہے کہ غلبہ کفر کو برداشت نہ کیا جائے گا۔ چاہے غلبہ کفر دنیا کے کسی کونے میں ہو بااستطاعت مسلمانوں پر فرض ہے کہ غلبہ کفر کو ختم کرنے کے لئے کوشاں ہوں۔ اس آیت کو سورہ صف اور سورہ حج کی ان آیات سے ملا کر پڑھیے جن میں بعثت کا مقصد بتایا گیا ہے کہ دین حق کو سارے ادیانِ باطلہ پر غالب کرنا ہے خواہ اہل باطل کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔ قرآن کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ لڑائی کی غرض و غایت یہ ہے کہ کفار کی خودمختاری اور بالادستی ختم ہو جائے وہ زمین میں حاکم اور صاحب امر بن کر نہ رہیں بلکہ زمین کے نظام زندگی کی باگیں اور فرمانروائی و امامت کے اختیارات اہل حق کے ہاتھوں میں ہوں اور کفار و مشرکین ماتحت، تابع اور مطیع بن کر رہیں۔ یہ وہ آخری مرحلہ ہے جس پر حکم جہاد مستقل ہو گیا یعنی اس میں اب کسی طرح کی کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد مسلمانوں کی نسبت سے کفار کی تین قسمیں ہوں گی۔ محارب، معاہد اور اہل ذمہ۔ یہاں یہ نکتہ بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ معاہدہ اور مصالحت محض جائز ہے اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں معاہدہ اور مصالحت کی جا سکتی ہے کسی حال میں ضروری اور فرض نہیں ہے اور جو معاہدہ اور مصالحت بھی ہوگی وہ مطلق اور بے مدت نہ ہوگی۔ بلکہ اس کی ایک مدت متعین ہوگی۔ اس رخ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ کفار کی مستقل دو ہی قسم ہے محارب یا اہل ذمہ، دوسری کوئی بھی قسم اور حیثیت استثنائی اور عارضی ہوگی۔

ایک درجن سے زیادہ علمائے تفسیر کی رائے کے مطابق آخری مرحلہ نے سابقہ تمام مرحلوں کو منسوخ کر دیا ہے۔ بعض اسلاف نے اس پر اجماع کا بھی دعویٰ کیا ہے۔ اسی کے ساتھ سلف صالحین میں سے بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ حالات کے تحت پچھلے مرحلہ والی آیات پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے بعض نے نسخ کے قائلین پر نقد بھی کیا ہے اور بعض نے نسخ کا معنی یہ بتایا ہے کہ ایسا نہیں ہے کہ ان آیات پر کبھی عمل ہی نہیں کیا جا سکتا۔

ان مختلف رایوں کے درمیان کوئی تصفیہ کرنا ہمہ شما کے بس سے باہر ہے۔ البتہ اتنی بات پورے یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ جس طرح شریعت کے دوسرے احکام میں اعتبار آخری مرحلہ کا ہوتا ہے اسی طرح اس باب میں بھی اعتبار آخری مرحلہ کا ہونا چاہئے۔ رہے دوسرے مرحلے تو وہ بدرجہ مجبوری حد جواز میں آ سکتے ہیں استثنائی اور عارضی حالات میں ان کو لیا جا سکتا ہے مستقل اصول کی حیثیت سے ابتدائی مرحلوں کو نہیں اپنایا جا سکتا مثلاً حرمت شراب کا آخری مرحلہ اصل ہے۔ صوم وصلوٰۃ کی فرضیت کا آخری مرحلہ اصل ہے۔ ان کے ابتدائی

مراحل کو اصل نہیں قرار دیا جاسکتا۔ اِلاَّ یہ کہ بعض عوارض اور مجبوریوں کے تحت ابتدائی مرحلہ کو اختیار کیا جاسکتا ہے جیسے عارضہ سفر پیش آنے کی صورت میں نماز چار کے بجائے دو رکعت پڑھی جائے گی اور روزے ماہ رمضان کے علاوہ دوسرے دنوں میں رکھے جائیں گے۔ اس موقع پر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ آخری مرحلہ کے لئے اصلاً بہت زیادہ دلیل کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ابتدائی مراحل کو اختیار کرنے کے لئے دلیل اور حجت کی زیادہ ضرورت ہونی چاہئے۔ مگر یہ عجیب تماشہ ہے کہ ابتدائی مراحل میں سے کسی ایک مرحلہ کو اپنانے کے لئے لوگ دلیل کی ضرورت نہیں سمجھتے بلکہ بلا دلیل ان کو اپنانا عین تقاضائے شریعت سمجھتے ہیں اور آخری اور مستقل مرحلہ کے واسطے انہیں کوئی دلیل نظر نہیں آتی ہے۔

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے



جہاد کی دو قسمیں



جہاد کی دو قسمیں ہیں۔ دونوں کے احکام الگ الگ ہیں۔ پہلی قسم یہ ہے کہ مسلمان اقدام اور پہل کریں اور دشمن کی سرحد میں جنگ ہو۔ یہ اقدام کرنے سے پہلے جمہور فقہاء کے نزدیک کفار کو اسلام کی دعوت دینا ضروری ہے۔ اگر ان تک دعوت نہ پہنچی ہو اور اگر دعوت پہنچ چکی ہو تو قبول اسلام کی دعوت دینا مستحب ہے اگر اسلام قبول کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوں تو ان سے جزیہ کا مطالبہ کیا جائے اور ان سے کہا جائے کہ تم اسلام کے ماتحت بن کر رہو۔ اس کے لئے بھی تیار نہ ہوں تو میدان میں دعوتِ مبارزت دی جائے۔ اس کے لئے مندرجہ ذیل نصوص شاہد ہیں۔

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (التوبۃ:۵)

ترجمہ: پس جب حرام مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں پاؤ اور انہیں پکڑو اور گھیرو اور ہر گھات میں ان کی خبر لینے کے لئے بیٹھو پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو انہیں چھوڑ دو۔ اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ. (التوبۃ:۳٦)

ترجمہ: اور مشرکین سے سب مل کر لڑو جس طرح وہ سب مل کر تم سے لڑتے ہیں اور جان رکھو اللہ متقیوں ہی کے ساتھ ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ

وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ. (التوبۃ:۲۹)

ترجمہ: جنگ کرو اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے خلاف جو اللہ اور روز آخر پر ایمان نہ لائیں اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے اسے حرام نہیں کرتے اور دین حق کو اپنا دین نہیں بناتے۔ ان سے لڑو یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا ان لا الہ الا اللّٰہ وان محمداً رسول اللّٰہ ویقیموا الصلوۃ ویوتوا الزکاۃ فاذا فعلوا ذلک عصموا منی دماءھم واموالھم الا بحق الاسلام وحسابھم علی اللّٰہ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ و محمد رسول اللہ کی گواہی دیں۔ نماز قائم کریں، زکوۃ ادا کریں۔ پس جب وہ ایسا کریں گے تو مجھ سے اپنی جان اور مال بچالیں گے الا یہ کہ اسلام کا حق ہے اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔

دوسرا ارشاد ہے:

من مات ولم یغز ولم یحدث بہ نفسہ مات علی شعبۃ من نفاق۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: جو مر گیا اس حال میں کہ اس نے جہاد نہیں کیا اور نہ جہاد کی آرزو کی وہ نفاق کے ایک شعبہ پر مرا۔

اس طرح کی بہت ساری نصوص شرعیہ کی بناء پر جہاد کی یہ قسم اکثر علماء وفقہاء کے نزدیک فرض کفایہ ہے۔ وجوب جہاد کے سلسلہ میں فقہاء اسلام کے اقوال پیش کرنے کے بعد حسن البناءؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

فھا انت ذاتری من ذالک کلہ کیف اجمع اھل العلم مجتھدین و مقلدین وسلفیین و خلفیین علی ان الجھاد فرض کفایۃ علی الامۃ الاسلامیۃ لنشر الدعوۃ۔

ترجمہ: پس ہاں تم ان تمام سے دیکھتے ہو کہ کس طرح اہل علم، خواہ وہ مجتہد ہوں یا مقلد، پہلے کے لوگ ہوں یا بعد کے۔ سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ جہاد ملتِ اسلامیہ پر اشاعتِ دعوت کی غرض سے فرض کفایہ ہے۔

علامہ کاسانیؒ کہتے ہیں:

جہاد فرضِ کفایہ ہے۔ اس لئے کہ اس کی غرض اشاعتِ اسلام، اعلاء کلمۃ اللہ، کفار کے شر کو دفع کرنا اور انہیں

زیر کرنا ہے یہ مقصد کچھ لوگوں کے ذریعہ حاصل ہو جائے گا۔

ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں فرمایا ہے: جہاد فرض کفایہ ہے کیونکہ وہ فرض ہے فرض کفایہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کچھ لوگ اس فرض کو ادا کر رہے ہوں تو بقیہ لوگوں سے بھی فرض ساقط ہو جائے گا۔ لیکن یہاں یہ بات بہت ہی قابل لحاظ ہے کچھ افراد کی محض ادائیگی فرض کی کوشش کافی نہیں ہے بلکہ بقیہ لوگوں سے فرض اسی وقت ساقط ہوگا جب کہ کچھ افراد کی سعی مقصد جہاد کو پورا کر رہی ہو۔

حاشیہ ابن عابدینؒ میں اسی طرف توجہ دلائی گئی ہے:

> وایاک ان تتوھم ان فرضیته تسقط عن اھل الھند بقیام اھل الروم مثلاً بل یفرض علی الاقرب فالاقرب من العدوالی ان تقع الکفایة فلولم تقع الا بکل الناس فرضا عینا کصلوة وصوم۔
>
> ترجمہ: یعنی تم یہ خیال چھوڑ دو کہ مثلاً اہل روم کے قیام سے اہل ہند سے جہاد کی فرضیت ساقط ہو جائے گی۔ بلکہ دشمن سے قریب سے قریب تر پر جہاد فرض ہوگا یہاں تک کہ کفایت حاصل ہو جائے اگر کفایت حاصل نہ ہو سکے مگر تمام لوگوں کے ذریعہ تو جہاد، نماز اور روزہ کی طرح فرض عین ہو جائے گا۔

یہاں واضح رہنا چاہئے کہ بعض سلف سے جہاد کے مستحب ہونے کا قول بھی ملتا ہے لیکن محققین علماء نے کہا ہے کہ بعض سلف کے قول سے مستحب ہونے کا جو گمان ہوتا ہے وہ محض گمان ہی ہے، صحیح نہیں ہے۔ اسی کے ساتھ کئی اسلاف ایسے بھی ہیں جو حکم جہاد پر مشتمل آیات اور احادیث سے فرض عین ہونے کی بات کہتے ہیں۔

علامہ ابن حجرؒ نے کہا ہے جنس جہاد ہر مسلمان پر فرض عین ہے یعنی کسی نہ کسی شکل میں جہاد کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ ہاتھ سے نہیں تو زبان سے یا مال سے یا دل سے ابن قیمؒ نے کہا دل سے، یا زبان سے یا مال سے یا ہاتھ سے جہاد فرض عین ہے۔ لیکن جان سے جہاد کرنا فرض کفایہ ہے۔

سورۂ صف میں دیکھئے کتنے واضح انداز میں دوزخ سے نجات، مغفرت کے حصول، جنت میں دخول اور پھر ساتھ ہی دنیاوی فتح اور کامرانی کو ایمان اور جہاد سے جوڑ دیا گیا ہے اور سورہ توبہ کی آیت **اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا** میں کتنی شدت کے ساتھ جہاد میں نکلنے کی تاکید کی گئی ہے۔

اس طرح کی آیات کی روشنی میں بعض اسلاف کی عجیب و غریب کیفیت سامنے آتی ہے۔ فرض عین اور فرض کفایہ کے قانونی انداز میں نہ سوچ کر جیسے اصل روح کو انہوں نے اپنا لیا ہو۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت سعید بن مسیبؓ جہاد کے لئے نکل پڑے اس حال میں کہ ان کی ایک آنکھ ضائع ہو چکی تھی۔ لوگوں نے ان سے کہا آپ بیمار ہیں معذور ہیں۔ کیوں زحمت کرتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہلکے اور بوجھل

سب کو نکلنے کوفرمایا ہے۔ اگر میں جنگ نہ کرسکوں گا تو تعداد میں اضافہ کروں گا۔ سامان کی دیکھ بھال کروں گا۔

طبریؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت مقداد بن اسودؓ بہت موٹے تھے تابوت سے باہران کا جسم ہورہا تھا۔ لوگوں نے کہا آپ کو اللہ تعالیٰ نے معذور قرار دیا ہے تو جواب دیا ہم ہی پر اِنۡفِرُوۡا خِفَافًا وَّثِقَالًا کی آیت نازل ہوئی ہے۔

حضرت ابوطلحہؓ نے اپنے بیٹوں سے فرمایا: اللہ نے جہاد میں ہلکے اور بوجھل ہر حالت میں جانے کا حکم دیا ہے۔ میرے لئے سامان سفر تیار کرو۔ بیٹوں نے کہا اللہ آپ پر رحم فرمائے آپ نے اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ جہاد کیا۔ حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ کے ہمراہ ہوکر جہاد کیا اب ہم لوگ آپ کی طرف سے جہاد کریں گے۔ لیکن وہ نہ مانے اور بغرض جہاد بحری سفر پر نکل پڑے اور اسی سفر میں انتقال کر گئے۔ ان کو دفن کے لئے جگہ نو دنوں کے بعد بڑی مشکل سے ملی اور نو دنوں تک میت میں کوئی خرابی نہیں پیدا ہوئی۔

یہ واقعات دراصل انسانی فطرت کے ایک پہلو کو واضح کرتے ہیں کہ معاشرہ میں ہمیشہ کچھ افراد ہوتے ہیں جو اپنے جذبہ، اپنے حوصلہ اور اپنے احساس میں عام لوگوں کے مقابلہ میں بہت آگے ہوتے ہیں اور فکر وعمل دونوں میں ممتاز اور نمایاں ہوتے ہیں۔

فرض عین اور فرض کفایہ کے مسئلہ کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ جہاں جہاں سربکف اور سرفروشوں کی ضرورت ہے وہیں ایسے لوگوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو پیچھے رہ کر دوسرے محاذوں پر مستعد رہتے ہوئے محاذ جنگ پر مجاہدین کو مدد پہنچائیں۔ گویا میدان جنگ سے دور ہوتے ہوئے میدان جنگ میں ہیں۔ ان کے لئے بھی حسنیٰ کا وعدہ ہے خواہ مجاہدین کے برابر نہ ہوں۔

وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا (النساء:۹۵)

ترجمہ: اگرچہ ہر ایک کے لئے اللہ نے بھلائی ہی کا وعدہ فرمایا ہے مگر اس کے ہاں مجاہدوں کی خدمات کا معاوضہ بیٹھنے والوں سے بہت زیادہ ہے۔

اسی زمرہ میں ان لوگوں کو شامل کیا جاسکتا ہے جو علمی، تحقیقی اور ذہنی وفکری کاموں میں مصروف رہ کر مجاہدین کو تقویت پہنچا رہے ہوں۔ یہی بات آیت ۱۲۲ سورۃ توبہ میں کہی گئی ہے۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ.

(التوبۃ:۱۲۲)

ترجمہ: اور یہ کچھ ضروری نہ تھا کہ اہل ایمان سارے کے سارے ہی نکل کھڑے ہوتے، مگر ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کی آبادی کے ہر حصہ میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے اور دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس جا کر اپنے علاقے کے باشندوں کو خبردار کرتے تاکہ وہ (غیر مسلمانہ روش سے) پرہیز کرتے۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوسعید خدری ؓ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے قبیلہ بنی لحیان کو کہلا بھیجا کہ ہر دو آدمی میں سے ایک نکلے۔ مزید فرمایا کہ تم میں کا جو شخص نکلنے والے کے مال و جائیداد اور اہل وعیال کی اچھی طرح دیکھ بھال کرے گا اس کو نصف ثواب ملے گا۔

صحیح مسلم کی ایک اور بھی روایت ہے آپ نے فرمایا:

فمن جهز غازيا في سبيل الله فقد غزا ومن خلف غازيا في اهله بخير فقد غزا۔

ترجمہ: پس جس نے کسی غازی کو تیار کیا اللہ کے راستہ میں اس نے جہاد کیا اور جس نے غازی کی قائم مقامی کی اس کے اہل وعیال میں اس نے جہاد کیا۔

مسئلہ کے اس پہلو سے ان لوگوں کے لئے کوئی چھوٹ اور گنجائش نہیں ملتی جو دوسرے محاذوں پر کام کر رہے ہوں لیکن میدانی جہاد کو بے وزن بنا رہے ہوں اور سرفروشوں کی حوصلہ شکنی کر رہے ہوں اور اس اصل جہاد کو بے وقت کی راگنی اور دین وملت کے لئے نقصان خیال کرتے ہوں اور جہاد کا لفظ سنتے ہی جن کی تیوری پر بل آجاتا ہو۔ ایسے لوگوں کو چاہئے کہ کتاب وسنت کے نصوص، زمانہ کے دباؤ سے الگ ہو کر پڑھیں اور دیکھیں اور اپنے اعمال خیر کو اکارت ہونے سے بچائیں اور میدان میں نہ جا کر بھی میدان کا ثواب حاصل کریں۔ حتی الوسع مجاہدین کے لئے تقویت کا سبب بنیں اور جہاد میں عدم شرکت کو اپنی بدنصیبی تصور کریں۔

جہاد ایک قرآنی اصطلاح ہے قرآن میں جہاد کا صریح حکم ہے۔ دنیا اور آخرت دونوں جہاں کی کامرانی اور کامیابی کا سررشتہ ایمان اور جہاد سے جوڑ دیا گیا ہے۔ نبی ﷺ نے قیامت تک جاری رہنے والا فریضہ بتایا ہے ایسی حالت میں لفظ جہاد سے تنفر اور ناپسندیدگی کا اظہار نہایت ہی سنگین جرم ہوگا۔ ایسا ممکن ہے کہ کوئی شخص جہاد کا معنی اور مفہوم کچھ کا کچھ بتائے یا کوئی شخص یہ کہے کہ جہاد کے شرائط یہ ہیں اور وہ ہیں جو پورے نہیں ہوتے۔ لیکن اس کے لئے کوئی گنجائش نہیں کہ زمانہ کے دباؤ کی بناء پر لفظ جہاد سے کسی مسلمان کو کراہت اور الرجی ہونے لگے۔ کیونکہ لفظ جہاد کے ساتھ ایک فریضہ مسلمانوں پر بالکل اسی طرح عائد کیا گیا ہے جس طرح صلوۃ، زکوۃ اور حج وصوم کے نام سے مسلمانوں پر کچھ مخصوص اعمال فرض کئے گئے ہیں۔ تفسیر قرطبی میں ہے:

والتشاقل عن الجهاد مع اظهار الكراهة حرام۔ (قرطبی، جلد:۸، ص:۱۴۱)

ترجمہ: اظہار ناپسندیدگی کے ساتھ جہاد سے پہلوتہی کرنا حرام ہے۔

یہ معلوم ہونے کے بعد کہ کفار کو اسلام کی دعوت دی جائے۔قبول نہ کریں تو ان سے جزیہ کا مطالبہ کیا جائے۔اس کے لئے بھی تیار نہ ہوں تو ان سے جنگ کرنا فرض ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ فرض کیسے ادا ہوگا۔اس کا جواب یہ ہے کہ کفر و شرک کا فتنہ جب تک زمین پر باقی ہے اور جب تک زمین کے چپہ چپہ پر اسلام کا غلبہ نہیں ہوجاتا حتیٰ کہ ایک بالشت بھی زمین مشرک کے قبضہ میں ہے اس وقت تک جہاد کا فریضہ باقی رہے گا۔اس فریضہ کی ادائیگی کی صورت یہی بنتی ہے کہ جس طرح تقوی حسب استطاعت اختیار کرنے کا حکم ہے اس طرح جہاد بھی استطاعت کے مطابق کرنا ہے اور کرتے رہنا ہے۔ لیکن امت کے ایک طبقہ علماء نے اس کی تحدید کر دی ہے کہ سال میں ایک بار ضرور جہاد کیا جائے۔اس بات کو قرطبی نے ان الفاظ میں کہا ہے۔

> قسم ثان من واجب الجهاد فرض ایضا علی الامام اغز طائفة الی العدو کل سنة مرة یخرج معهم بنفسه اویخرج من یثق به لید عوهم الی الاسلام ویر غمهم ویکف اذاهم ویظهر دین الله علیهم حتی یدخلوا فی الاسلام اویعطوا الجزیة عن یدوهم صاغرون. (قرطبی، جلد:۸، ص:۱۵۲)
>
> ترجمہ: واجب جہاد کی دوسری قسم، امام پر یہ بھی واجب ہے کہ وہ ہر سال ایک مرتبہ ایک گروہ کو دشمن کی طرف لڑنے کے لئے لے جائے۔ان کے ساتھ بذات خود جائے یا اپنے معتمد آدمی کو بھیجے۔دشمنوں کو اسلام کی دعوت دے۔ان کو دبائے اور ان کی اذیت کو روکے اور ان کے اوپر دین کو غالب کرے۔یہاں تک کہ وہ اسلام میں داخل ہوجائیں یا چھوٹے بن کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔

یہ علامہ قرطبی نے گویا استطاعت کی کم از کم ایک حد متعین کر دی ہے اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ یہ دونوں رائیں باہم متصادم نہیں ہیں۔



مقاصد جہاد



جہاد کا نام سنتے ہی بعض لوگ اس لئے چونک جاتے ہیں کہ غیر شعوری طور پر ان کے ذہن میں دعوت اور جہاد دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ گویا جہاد کا تصور آتے ہی دعوت کا تصور ختم ہوجاتا ہے۔ حالانکہ اصل واقعہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ جہاد، دعوت کی اعلیٰ شکل ہے۔ اکثر احکام اپنے آغاز میں جس شکل میں تھے آخر میں وہ شکل کسی نہ کسی لحاظ سے بدل گئی۔ نماز، روزہ اور زکوۃ کی شکل شروع میں کچھ تھی اور آخر میں کچھ ہوگئی۔

اسی طرح دعوت کا حکم بھی تصور جہاد سے مل کر اپنی آخری اور اعلیٰ شکل کو پہنچا ہے۔ اب جہاد کا تصور ذہن سے نکال کر دعوت کا تصور ناقص تصور ہوگا۔ شوق شہادت کے جذبات سینوں میں پرورش نہ کرتے ہوئے دعوت کے عمل کو دعوت اسلامی کا نام دینا بالکل ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی شخص بس صبح وشام دو دو رکعت پڑھ لے اور کہے کہ میں نمازی ہوں اور اس میں سلام وکلام کا سلسلہ جاری رکھے اور کہے کہ اس کا بھی ثبوت ملتا ہے۔

جہاد کا مقصد ملک گیری، کسی نسل اور قوم کی بالا دستی اور حکومت دوسری نسل وقوم پر قائم کرنا نہیں ہے۔ کسی ایک طبقہ کو دوسرے طبقہ سے بڑھانا بھی نہیں ہے بلکہ نیکی کو برائی پر، خیر کو شر پر بڑھاوا دینا ہے، فساد کو ختم کرنا اور انسان کو صرف اللہ کا تابعدار اور بندہ بنانا اور انسانوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں داخل کرنا ہے۔ اللہ کے علاوہ خدائی کے تمام دعویداروں کی خدائی کا خاتمہ کرنا ہے اس لئے کہ سارے فساد کی جڑ انسان پر انسان کی خدائی اور حاکمیت ہے۔ چنانچہ جہاد کی غرض قرآن نے یوں بیان کی ہے:

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ (البقرۃ:۱۹۳)

ترجمہ: تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کیلئے ہوجائے، پھر اگر وہ باز آجائیں تو سمجھ لو کہ ظالموں کے سواء اور کسی پر دست درازی روا نہیں۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (الانفال:۳۹)

ترجمہ: ان کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا کا پورا اللہ کیلئے ہو جائے پھر اگر وہ فتنہ سے رک جائیں تو ان کے اعمال کا دیکھنے والا اللہ ہے۔

ارشادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

ومن قاتل لتكون كلمة الله هى العليا فهو فى سبيل الله۔

ترجمہ: جو جنگ کرے اس لئے کہ اللہ کا حکم بلند ہو تو وہ فی سبیل اللہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

امرت ان اقاتل الناس حتى يشهدوا ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله ويقيموا الصلوة ويوتوا الزكوة فاذا فعلوا ذالك عصموا منى دماءهم واموالهم الا بحق الاسلام وحسابهم على الله۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ لوگ گواہی دیں کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں پس جب یہ کریں گے تو وہ اپنی جان اور مال مجھ سے محفوظ کرلیں گے مگر اسلام کے حق کے ساتھ اور ان کا حساب اللہ کے حوالہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

بعثت بين يدى الساعة بالسيف حتى يعبد الله تعالىٰ وحده لا شريك له وجعل رزقى تحت ظل رمحى وجعل الذل والصغار على من خالف امرى۔ (رواہ احمد)

ترجمہ: قیامت کے سامنے مجھے تلوار کے ساتھ بھیجا گیا ہے، یہاں تک کہ اللہ کی تنہا عبادت کی جائے اس حال میں کہ اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور میرا رزق میرے نیزے کے سائے میں بنایا گیا اور ذلت اور رذالت میرے مخالفین کے مقدر کردی گئی ہے۔

حضرت جبیرؓ کہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے ہمیں بلایا اور ہم پر نعمان بن مقرن کو امیر بنا کر روانہ کیا۔ جب ہم دشمن کی سرزمین پر پہنچے تو کسریٰ کا گورنر چالیس ہزار فوج کے ساتھ ہمارے مقابلہ میں آیا اور ان کا ترجمان آگے بڑھ کر بولا۔ تم میں کا کوئی آئے اور مجھ سے بات کرے۔ حضرت مغیرہؓ نے کہا۔ کیا معلوم کرنا

چاہتے ہو پوچھو۔اس نے سوال کیا تم کون ہو۔حضرت مغیرہؓ نے جواب دیا۔ہم عرب لوگ ہیں۔ہم انتہائی بدبختی اور مصیبت میں تھے، جانوروں کا چمڑہ اور کھجور کی گٹھلی بھوک میں چوستے تھے، جانوروں کے بال کا لباس پہنتے تھے، پتھر اور درخت کو پوجتے تھے۔

اسی اثناء میں ربِ کائنات نے ہماری طرف ہمارے ہی لوگوں میں سے ایک آدمی کو نبی بنا کر بھیجا، جس کے حسب ونسب کو ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔اللہ کے اس نبی نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم تم سے جنگ کریں یہاں تک کہ تم ایک اللہ کی عبادت کرو یا پھر جزیہ ادا کرو۔اس نبی نے ہمارے رب کا یہ پیغام ہم تک پہنچایا ہے کہ اس راہ میں ہم میں سے جو مارا جائے گا وہ سیدھے جنت میں جائے گا اور جنت کی نعمتیں ایسی ہوں گی جن کی کوئی مثال نہیں اور ہم میں سے جو باقی بچے گا وہ تمہاری گردنوں کا مالک بن جائے گا۔(بخاری)

مشہور واقعہ ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے حضرت ربعی بن عامرؓ کو رستم کے پاس بھیجا۔حضرت ربعیؓ پہنچے تو رستم تاج پہنے ہوئے تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔جلسہ گاہ حریر و دیبا کے غالیچوں سے سجی ہوئی، قیمتی موتی اور یاقوت نمایاں انداز میں جڑے ہوئے تھے اور ہر طرف کمال درجہ کی زیب وزینت کا اہتمام تھا۔

جبکہ حضرت ربعیؓ معمولی کپڑے میں تھے محض ایک تلوار اور ایک ترکش ساتھ میں تھا۔سواری کا گھوڑا ابھی پستہ قد تھا۔گھوڑے سے اترے بغیر، فرش کو روندتے ہوئے دربار میں جا دھمکے، پھر جب گھوڑے سے اترے تو گھوڑے کو ایک ستون سے باندھ کر ہتھیار بند زرہ اور خود کے ساتھ رستم کی جانب بڑھنے لگے۔درباریوں نے کہا ہتھیار اتار دو۔حضرت ربعیؓ نے کہا۔میں خود آیا نہیں ہوں۔تمہاری دعوت پر آیا ہوں۔اگر تمہیں میری حالت منظور نہیں ہے تو میں واپس چلا جاؤں گا۔رستم نے کہا۔چھوڑو، آنے دو۔

اس کے بعد حضرت ربعیؓ اپنے نیزہ پر ٹیکہ دیتے ہوئے آئے جس سے فرش میں سوراخ پڑ گئے۔وہاں حضرت ربعیؓ سے سوال کیا گیا، تم کس مقصد سے آئے ہو۔انہوں نے جواب دیا۔ہم کو اللہ نے اس لئے بھیجا ہے کہ ہم اللہ کے بندوں کو دوسرے بندوں کی عبادت سے نکال کر اللہ کی عبادت کی طرف لے جائیں۔دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت کی طرف پہنچائیں اور مذاہب کے ظلم سے اسلام کے عدل میں داخل کریں۔اس نے اپنا دین دے کر ہمیں اپنی مخلوق کی جانب بھیجا ہے کہ ہم ان کو اس کے دینِ حق کی طرف دعوت دیں۔جو قبول کرے ہم بھی اسے قبول کریں اور پھر واپس چلے جائیں اور جو انکار کرے ہم اس سے جنگ کرلیں یہاں تک کہ اللہ کے وعدہ تک ہم پہنچ جائیں۔

سوال کیا گیا وہ وعدہ کیا ہے، جواب دیا۔ اس کا وعدہ ہے کہ انکار کرنے والوں سے جنگ کرتے ہوئے جو مارا جائے اس کیلئے جنت ہے اور جو باقی بچ جائیں ان کے لئے فتحیابی ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

فرضیت جہاد کی دو غرض ہے اول یہ کہ مسلمانوں کے لئے جن دشمنوں سے خطرہ ہے ان کے بالمقابل ایسے لوگ آجائیں جو ان کو روک دیں۔ دوسری غرض یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے جو لوگ با استطاعت ہیں وہ لڑتے رہیں یہاں تک کہ بت پرست ایمان لائیں یا اہل کتاب جزیہ ادا کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں قتال کی فرضیت سے مقصود دین حق کو باعزت بنانا اور مشرکین کو مقہور کرنا ہے۔

ابن قیمؒ کہتے ہیں جہاد سے مقصود یہ ہے کہ اللہ کا حکم بلند ہو اور دین پورا کا پورا اللہ کے لئے ہو کر رہ جائے۔ اس کے تقاضے میں کفر اور اہل کفر کا ذلیل ہونا اور چھوٹے بن کر رہنا شامل ہے نیز جزیہ دینا اس میں داخل ہے اس کے برخلاف اگر ان کو عزت پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ اپنا دین اپنی مرضی کے مطابق قائم کریں اور ان کا دبدبہ اور شوکت برقرار رہے تو یہ جہاد کے مقصود سے ٹکرانے والی بات ہے۔

علّامہ ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں تمام اہل کفر سے لڑا جائے مگر یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کرلیں۔ یا وہ جزیہ ادا کریں اور چھوٹے بن کر رہیں۔ یہ ہے جہاد کا اصلی اور بنیادی مقصود۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل مقاصد بھی ہیں۔

① مسلمانوں پر ہونے والی زیادتیوں کو روکنا۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا. (النساء:۷۵)

ترجمہ: اور آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان بے بس مردوں عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لئے گئے ہیں اور فریاد کررہے ہیں کہ خدایا! ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی اور مددگار پیدا کردے۔

② فتنہ کو ختم کرنا تاکہ اللہ کے بندے آزادی کے ساتھ اسلام کے محاسن دیکھ اور سمجھ سکیں اور اللہ کی راہ پر چلنے میں ان کے لئے کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (الانفال:۳۹)

ترجمہ: تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کیلئے ہو جائے۔

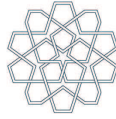
تفسیر قرطبی میں ایک روایت ہے کہ ایک مسلمان عورت سواری پر جا رہی تھی۔ ایک ذمی نے اس سواری کو بدکا دیا۔ جس کی وجہ سے عورت گر گئی اور اس کی بے ستری ہوگئی۔ وہ ذمی حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو حضرت عمرؓ نے اس کو سولی پر لٹکانے کا حکم دے دیا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ دور رسالت میں پیش آیا تھا۔

یہودی قبیلہ بنی قینقاع کے ایک شخص نے مسلمان عورت کا کپڑا کھول دیا تھا۔ یہ منظر وہاں موجود ایک مسلمان برداشت نہیں کر سکا چنانچہ اس نے اس یہودی کو قتل کر دیا لیکن اس پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ نہ تو یہ فرمایا کہ اتنے چھوٹے جرم پر قتل کی سزا کیوں دی اور نہ یہ کہا کہ اس نے قانون کو اپنے ہاتھ میں کیوں لیا بلکہ اس واقعہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اتنی اہمیت دی کہ اس کے بعد قبیلہ بنی قینقاع کو مدینہ سے جلاوطن ہونا پڑا۔



اِشاعتِ دین میں جہاد کا اثر



ایک عرصہ سے یہ سوال جواب طلب رہا ہے کہ اسلام دلیل اور اخلاق سے پھیلا یا تلوار سے۔ بڑی عیاری کے ساتھ دشمنان اسلام مستشرقین نے یہ سوال اٹھا کر اہل اسلام کو مجرم کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا۔ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ اسلام میں کوئی معقولیت نہیں ہے اور نہ اس میں لوگوں کے لئے کوئی اپیلنگ ہے اور اسلام کے نام لیوا اخلاق وانسانیت سے خالی ہوتے ہیں۔ انہوں نے بہت ہی زوروشور سے پروپیگنڈہ شروع کیا کہ اسلام محض تلوار کے زور پر پھیلا۔

یہ عجیب تماشا ہے کہ انہیں میں سے بعضوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اسلام تلوار سے نہیں بلکہ اخلاق اور تبلیغ سے پھیلا ہے۔ یہ دونوں باتیں کہنے والے دورخ سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے والے تھے۔ لیکن ہم نے سمجھا کہ تبلیغ کو ذریعہ بتانے والے حق پسند حق گو اور ہمارے ہم خیال ہیں۔ حالانکہ ایک گروہ اسلام کو خونخوار مذہب بتا کر بدنام کر رہا تھا تو دوسرا گروہ یہ کوشش کر رہا تھا کہ مسلمانوں کے اندر سے روح جہاد کو نکال دیا جائے تاکہ مسلمان وعظ و پند سے آگے نہ بڑھے۔

مست رکھو ذکر وفکر صبحگاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاج خانقاہی میں اسے

مغرب سے مرعوبیت کی بناء پر اعداء اسلام کی طرف سے اس قسم کی ابلیسی چالوں کو عموماً سمجھا نہیں گیا۔ حالانکہ قرآن کی آیات، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادات اور تاریخی شواہد یہ سمجھنے کے لئے کافی موجود تھے کہ اسلام کا پورا نظام سراسر مطابق عقل ہے۔ فطرت انسانی کی پکار کا جواب ہے اور انسان کی روحانی اور مادی دونوں ضرورتوں کی تکمیل کا سامان اس کے اندر موجود ہے۔

اسلام نے روحانیت اور مادیت دونوں پہلوؤں کا جس طرح صحیح توازن کے ساتھ لحاظ کیا ہے۔ اسی طرح

اپنے پیغام کے ارسال اور اشاعت کے لئے افہام و تفہیم، موعظت اور نصیحت اور عملی نمونہ کے ساتھ ساتھ حدود وتعزیرات اور قوت و طاقت کے استعمال کا حکم بھی نہایت ہی عدل و انصاف اور احترام انسانیت کا لحاظ کرتے ہوئے دیا ہے۔ دیکھئے معابد اور مساجد کی حفاظت کیلئے کس طرح ٹکراؤ اور تصادم کو ذریعہ بنانے کی بات قرآن میں کہی گئی ہے۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللهِ كَثِيْرًا (الحج:۴۰)

ترجمہ: اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا اور معبد اور مسجدیں، جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے سب مسمار کر ڈالی جائیں۔

یعنی یہ اللہ کا بڑا فضل ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً دنیا میں ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعہ سے دفع کرتا رہتا ہے ورنہ اگر ایک ہی گروہ کو کہیں اقتدار کا پٹہ مل گیا ہوتا تو قلعے اور قصر اور ایوان سیاست اور صنعت وتجارت کے مرکز ہی تباہ نہ کر دیئے جاتے بلکہ عبادت گاہیں تک دست درازیوں سے نہ بچتیں۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ○وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللهِ اَفْوَاجًا. (النصر:۱-۲)

اس آیت کے تحت ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ اہل عرب اس انتظار میں تھے کہ حضرت محمد ﷺ اور اہل مکہ کی کشمکش کا انجام کیا ہوتا ہے چنانچہ مکہ فتح ہوتے ہی پورا عرب جیسے دوڑ پڑا اور پھر دو سال کے اندر سارا عرب اسلام کے زیر نگیں ہو گیا۔ غالباً تین ہجری میں غزوۂ احد کے قریبی زمانہ میں بخاری شریف کی روایت کے مطابق حضور اکرم ﷺ نے اہل اسلام کی مردم شماری کا حکم فرمایا۔ اس حکم کی تعمیل کی گئی تو پندرہ سو کی تعداد معلوم ہوئی۔ اس موقع پر صحابہ نے عرض کیا کہ کیا آپ کو اندیشہ ہے، ہم نے وہ زمانہ بھی دیکھا ہے جبکہ نماز بھی ڈرتے ڈرتے ہم میں کا کوئی پڑھتا تھا۔ اب تو ہم ڈیڑھ ہزار ہیں۔

اس کے بعد بڑی تیزی کے ساتھ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہوا۔ غزوۂ تبوک میں اسلامی فوج تیس ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ حجۃ الوداع میں تقریباً ایک لاکھ تیس ہزار لوگوں نے آپ ﷺ کے ساتھ حج ادا کیا اور آپ کے ساتھ شریک حج نہ ہونے والوں کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔

علّامہ ابن حزمؒ کہتے ہیں کہ مکہ میں آپ ﷺ ۱۳ سال دعوت دیتے رہے۔ شق القمر اور واقعۂ معراج جیسے معجزات بھی لوگوں کے سامنے آئے۔ لیکن ایمان لانے والوں کی تعداد ایک سو تک بھی نہیں پہنچی۔ لیکن حکم جہاد کے بعد دس سال کے اندر اسلام غالب آ گیا۔

غزوۂ خیبر کے موقع پر آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ کل جھنڈا ایک ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ سے محبت کرتا ہے اور اللہ اسے محبوب رکھتا ہے جس کے ہاتھ پر اللہ فتح نصیب فرمائے گا۔ لوگ اشتیاق میں تھے کہ جھنڈا کس کو دیا جاتا ہے۔ دوسرے دن آپ ﷺ نے پوچھا علیؓ کہاں ہیں، لوگوں نے بتایا، اے اللہ کے رسول ان کی آنکھیں آشوب میں ہیں۔ آپ نے حضرت علیؓ کو بلوا بھیجا۔ حضرت علیؓ آئے۔ آپ ﷺ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگا دیا۔ وہ ایسے ہو گئے جیسے کبھی تکلیف میں تھے ہی نہیں۔ آپ ﷺ نے جھنڈا ان کے حوالہ فرمایا۔ حضرت علیؓ نے دریافت فرمایا۔ کیا میں اس وقت تک جنگ کروں جب تک وہ ہمارے جیسے مسلمان نہ ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ سیدھے ان کے علاقہ میں پہنچو۔ ان کو اسلام کی طرف دعوت دو اور اللہ کی جانب سے عائد کردہ حقوق سے باخبر کرو۔ اللہ کی قسم یہ بات کہ اللہ تمہارے ذریعہ کسی ایک آدمی کو راہِ ہدایت پر لائے۔ سرخ اونٹوں سے کہیں بہتر ہے۔

یہ محض وعظ نہ تھا بلکہ قوت آمیز دعوت تھی جس کی تاثیر کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر طاقت اور تلوار دعوت الی اللہ میں مؤثر نہ ہوتی تو آپ حضرت علیؓ کو فوج کا جھنڈا تھما کر دعوت کا حکم نہ فرماتے۔

